

خلیل احمد

مؤلفہ

مولانا محمد اسماعیل دیالگڑھی

خلیل احمد

مؤلفہ

مولوی محمد اسماعیل صاحب۔ فاضل دیالگڑھی ؔ

(مبلّغ سلسلہ عالیہ احمدیہ)

حسبِ ارشاد

نظارت دعوۃ وتبلیغ قادیان

1939ء

نام کتاب	....	خلیل احمد
مصنف	....	محمد اسماعیل دیالگڑھی
سن اشاعت اوّل	....	1939ء
تعداد	....	ایک ہزار
طبع دوم	....	2023ء
تعداد	....	ایک ہزار
کمپوزنگ و ڈیزائنگ	....	آفاق احمد زاہد، عطاء النور
ناشر	....	محمد انیس دیالگڑھی
مطبع	....	رانا پرنٹ کولون جرمنی

پیش لفظ

1939ء میں ایک معاند احمدیت نے ''داستانِ مرزا'' کے نام سے ایک کتاب ناول کے رنگ میں لکھی۔ اس میں اعتراضات تو وہی تھے جو ہمیشہ سے جماعت احمدیہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کئے جاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کتاب کو افسانوی رنگ دے کر ایک دلچسپ کہانی کی صورت میں پیش کیا گیا تھا۔ ہمارے والد بزرگوار محترم مولانا محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی نے اس کتاب کے جواب میں افسانوی رنگ میں ہی نہایت دلچسپ مکالمہ کی صورت میں ''خلیل احمد'' کے نام سے اس کا جواب تحریر کیا۔ جسے 23 نومبر 1939ء کو ہی نظارت نشر و اشاعت دعوت وتبلیغ قادیان نے شائع کیا۔ حضرت مولانا عبدالرحیم نیّر صاحبؓ نے اس کا دیباچہ لکھا جو حالیہ طباعت میں بھی شامل ہے۔ ''خلیل احمد'' نہایت مقبول ہوئی اور عوام الناس کے ساتھ ساتھ علماء کے حلقہ میں بھی اس کو بہت سراہا گیا۔

محترم ابّا جان مرحوم خود بتایا کرتے تھے کہ اس کتاب کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد ایک روز قادیان میں نماز جمعہ کے بعد میرے ایک دوست نے مجھے پکڑ کر حضرت سیّد مختار احمد صاحب شاہجہانپوریؓ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''یہ ہے اسماعیل دیالگڑھی'' یہ سنتے ہی حضرت سیّد مختار احمد صاحب شاہجہانپوریؓ نے مجھے گلے لگالیا اور بے اختیار فرمایا:

''ارے ...... مَیں سوچا کرتا تھا کہ اس کتاب کی داد دیئے بغیر مرگیا تو ظلم ہوگا''

1985ء میں حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب مرحوم جرمنی تشریف لائے تو مکرم مولانا منصور احمد عمر صاحب نے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ مولانا محمد اسماعیل دیالگڑھی صاحب کا

بیٹا ہے۔تو مولانا دوست محمد شاہد صاحب نے بھی بے ساختہ اپنے مخصوص اور گرمجوش انداز میں فرمایا کہ ''خلیل احمد'' مولانا دیالگڑھی صاحب کا ماسٹر پیس ہے اور جماعتی لٹریچر میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

کچھ عرصہ سے ہم سب بہن بھائیوں کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ 1939ء میں شائع ہونے والی یہ کتاب جماعتی لٹریچر میں تو ہمیشہ محفوظ رہے گی مگر عامۃ الناس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے اور شاید ابا جان مرحوم کی آئندہ نسل کو بھی یاد نہ رہے۔ لہٰذا اسے دوبارہ شائع کرنا ضروری ہے۔ہم سب حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ کے ممنون احسان ہیں کہ آپ نے ازراہِ شفقت دوبارہ اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔اس کتاب کی اہمیت و افادیت آج بھی اُسی طرح ہے جیسی اس وقت تھی۔اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت پر ہونے والے اعتراضات کا جواب بھی ہے اور مسلمانوں کی زبوں حالی کے بیان کے بعد ایک آسمانی مصلح کی ضرورت اور ساتھ ہی دنیا کے تمام بڑے مذاہب کا اسلام سے موازنہ کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ؏

اب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے

یہ کتاب داعیان الی اللہ کی تعلیم و تربیت کے لئے نہایت مفید ہے۔انہیں نہ صرف مختلف مسائل کے دلائل سے آگاہی ہو گی بلکہ دلائل پیش کرنے کے پر حکمت طریق سے بھی آشنائی ہو گی۔اس کتاب کی تیاری اور دوبارہ اشاعت میں بہت سے احباب کی مدد شامل حال رہی۔خاص طور پر برادرم مکرم چودھری محمد نفیس صاحب کا پُرزور اصرار اور خاص توجہ اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کا محرّک بنی۔اسی طرح برادرم مکرم محمد ادریس صاحب، برادرم مکرم رئیس احمد طاہر صاحب مربی سلسلہ اور برادرم مکرم جلیس احمد صاحب نے نظر ثانی اور پروف ریڈنگ کرنے میں معاونت کی۔ بزرگوارم والد صاحب مرحوم کے نواسوں عزیزم عطاء النور صاحب مربی سلسلہ، عزیزم محمد احمد نعیم صاحب مربی سلسلہ اور عزیزم نجیب احمد فہیم صاحب نے بھی بھرپور تعاون کیا۔ہمارے خاندان کے علاوہ جن احباب کا تعاون حاصل رہا ان میں مکرم عبدالرحمٰن مبشر صاحب، مکرم سلطان احمد قمر صاحب

اور عزیزم آفاق احمد زاہد صاحب کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔عزیزم آفاق احمد زاہد نے صرف کمپوزنگ ہی نہیں کی بلکہ آغاز سے طباعت کے آخری مرحلہ تک پورے ذوق وشوق سے ہرممکن مدد کی۔ خاکسار ان سب احباب کا شکرگزار اور ان کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہے کہ مولیٰ کریم انہیں جزائے خیر سے نوازے،آمین۔

امید ہے کہ یہ کتاب والد محترم مولانا محمد اسماعیل دیالگڑھی صاحب کے لئے دعاؤں کی تحریک اور بلندی درجات کا موجب ہو گی اور صدقہ جاریہ کا کام دے گی۔ ان شاء اللہ

یہ کتاب درج ذیل ویب سائٹ پر آن لائن بھی دستیاب ہے۔

https://ur.ebooks.org.uk/bookcase/pvcee

خاکسار

محمد انیس دیالگڑھی

یکم جولائی 2023ء

Muhammad Anees

Im Alten Feld 48 A

57399 Kirchhundem/Germany

muhammadanees@outlook.de

004915164814256

دیباچہ

جب حق اپنی آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس کا مقابلہ کرنے والے جہالت کی تاریکیوں میں چھپ چھپ کر حملہ کرنا شروع کرتے ہیں۔ جو کوئی ان کو اس تاریکی میں مل جاتا ہے۔ اس کو وہ باہر روشنی میں جانے سے روکتے ہیں۔ اور بہلاوے اور دھوکے دے دے کر تاریکی ہی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ یہی حال اب احمدیت کے مخالفین کا ہے۔ وہ طرح طرح کے مکروفریب اور حیلوں سے ناواقف پبلک کو احمدیت سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں صریح جھوٹ۔ بہتان تراشی اور افتراء پردازی سے احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے خلاف من گھڑت باتیں پیش کرکے لوگوں کے دلوں میں نفرت اور بیزاری پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ احمدیت کی سچی تعلیم سے واقف نہ ہو جائیں۔

چند سال سے ایسا پراپیگنڈا کرنے والا گروہ مختلف رنگوں میں پبلک کی حسن ظنی سے فائدہ اٹھا کر ایسی تالیفات شائع کررہا ہے۔ جن کا مقصد ناواقف لوگوں کو گمراہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس قسم کی تالیفات میں سے ایک کتاب ''داستانِ مرزا'' کے نام سے موسوم ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ سے بےخوف اسلام سے دور اور حق سے بیگانہ مؤلف نے قصے کے رنگ میں اس امر کے دکھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی مقدس والدہ دیگر انبیاء اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معاذ اللہ ہتک کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ان تمام اعتراضات کا دشمن کے ہی رنگ میں ہمارے نوجوان قابل مبلغ مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل دیالگڑھی نے مسکت جواب دیا ہے۔ اور جس طرح عدو نے ''داستانِ مرزا'' میں احمدی کو بالآخر مرتد دکھایا ہے۔ اسی رنگ میں ہمارے قابل مؤلف نے بوضاحت وبدلائل مکالمات، مخاطبات اور مباحثات دکھا کر ثابت کردیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کی جس کے وہ مثیل

ہو کر آئے ہیں ہرگز توہین نہیں کی۔ نیز یہ بھی واضح کیا ہے کہ مسلم متکلمین کا ہمیشہ سے عدو کے مقابلہ میں یہ طرز رہا ہے کہ انہوں نے مسیحیوں کے مقابلہ میں ان کے فرضی خدا اور موہوم یسوع کو سامنے رکھ کر اپنے بدگو مخاطب کا منہ بند کیا ہے اور دکھایا ہے کہ کس طرح اُنہی دلائل کی بناء پر مسیحیت کی تردید ہوتی ہے اور گرجے میں پہنچے ہوئے ارتداد کے گڑھے میں گرنے کو تیار مسلمان نوجوان احمدی دلائل کے سامنے پادریوں کو بے بس پا کر ارتداد سے رُکتے اور بعد میں نیک احمدی مسلم بن کر خاتمہ بالخیر کے انعام سے مستفیض ہوتے ہیں۔

گو اس رسالہ ''داستانِ مرزا'' میں کوئی ایسا نیا اعتراض پیش نہیں کیا گیا۔جس کا سلسلہ کی طرف سے بارہا جواب نہ دیا جا چکا ہو۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ جب دشمن کند اور زنگ آلودہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر حملہ آور ہو تو ہم یہ کہہ کر اس کے سامنے ہاتھ نہ اٹھائیں اور اس کے وار کا کوئی جواب نہ دیں۔ کہ تمہارے ہتھیار پرانے اور ہماری مدافعت سے کند ہو چکے ہیں۔ بلکہ ہمیں اس دفاعی جنگ کو اس وقت تک جاری رکھنا چاہیے کہ دشمن خود بخود ان ہتھیاروں سے بےزار اور مایوس ہو کر ان کو پھینک دے اور ہمارے آگے سر ڈالدے۔ جب دشمن گند پھیلانے سے نہیں اُکتاتا تو اس کی بدبُو کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ہمیں بھی ہر موقع پر خوشبو چھوڑنا چاہیے۔ جب وہ باطل پر ہوتے ہوئے اپنے حملہ کو جاری رکھتا ہے تو ہمیں سچائی پر ہونے کی وجہ سے اس سے بڑھ کر استقلال دکھانا چاہیے۔ حتّٰی کہ بدی کے تمام زہریلے جراثیم نابود ہو جائیں اور اسلام کے سرسبز پودے کو کسی طرف سے بھی زہریلی ہوا نہ چھو سکے۔

پس ضروری تھا کہ یہ جواب لکھا جاتا اور بعض بیرونی مقامات کے احباب نے بھی تقاضا کیا تھا۔ اس لئے نظارت نے مؤلف کو جواب لکھنے کی تحریک کی اور اب خدا کے فضل سے یہ جواب شائع ہو

رہا ہے۔مندرجہ ذیل احباب کا میں نظارت دعوۃ وتبلیغ کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کے شائع کرنے میں مالی امداد سے اس نیکی کو اپنے حصّہ میں لے لیا:

1۔مکرمی قاضی محمد صادق صاحب لاہور

2۔مکرمی چوہدری عطاء اللہ صاحب مولوی فاضل ومنشی فاضل قادیان

3۔مکرمی چوہدری عبدالحمید صاحب دُکاندار قادیان

میں اُمید کرتا ہوں کہ ان کی یہ سعی خدا کے حضور مقبول ہوگی، فجزاھم اللہ احسن الجزاء

ہمارے نوجوان موٴلف کی تمام کتاب میں ضمناً یہ بھی کوشش رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے مرض کا احساس کرائے اور اس کا واحد علاج احمدیت کی تعلیم میں یہ بتا کر کتاب کے پڑھنے والوں کو دھوکہ دینے والے موٴلفین کی انسان کے قدیمی دشمن ابلیس کی سی رَوش سے بچائے۔ میں احباب سے خواہش کرتا ہوں کہ اس کتاب کا مطالعہ کریں اور اپنے دوستوں کو دکھائیں تا وہ حقیقت سے آشنا اور دشمن کے گمراہ کن پراپیگنڈا سے محفوظ رہیں۔

موٴلف کی غرض اس طرز تالیف کو اختیار کرنے میں وہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مصرع میں مستور ہے ؎

اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

(دستخط) عبدالرحیم نیّر

ناظم نشر واشاعت دعوۃ وتبلیغ۔ قادیان

23.11.1939

پہلا باب

ماہ ستمبر کا آخر اور ایک بجے دوپہر کا وقت ہے۔ سہارنپور کے ریلوے اسٹیشن پر خوب چہل پہل ہے۔ مسافر پلیٹ فارم پر گاڑی کے انتظار میں ادھر اُدھر ٹہل رہے ہیں۔ ایک نوجوان جو اپنی وضع قطع سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کسی کالج کا طالبعلم معلوم ہوتا ہے۔ گاڑی کے انتظار میں ایک بینچ پر بیٹھا اخبار کے مطالعہ میں مصروف ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی آئی اور اسٹیشن پر آکر ٹھہر گئی۔ قلی نے سامان اٹھایا اور اس نوجوان نے متلاشیانہ نظروں سے گاڑی کے ایک ایک کمرہ کو دیکھنا شروع کیا۔ اتنے میں اس کو ''انور'' ''انور'' کہہ کر پکارنے والے کی آواز سنائی دی۔

نوجوان نے جس کا نام محمد انور تھا سامنے کی طرف دیکھا۔ اور نہایت مسرور ہو کر آواز کی طرف لپکا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا عزیز دوست افضل جو دہلی سے آرہا تھا۔ گاڑی کے ایک کمرہ کے دروازہ میں کھڑا اشارہ سے اس کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ افضل نے اپنے آنے کی پہلے سے اطلاع دے رکھی تھی۔ جس کی بنا پر انور اس کو تلاش کرر ہا تھا۔ دونوں دوست ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر ملے اور کچھ عرصہ جدا رہنے کے بعد ملنے سے ان کے دلوں میں مسّرت اور چہروں پر بشاشت نمایاں تھی۔ ملنے کے بعد ان کے درمیان یوں سلسلہ کلام شروع ہوا۔

محمد انور: کہیے آپ کی طبیعت تو اچھی ہے؟ رخصتوں کے دن کیسے کٹے؟

افضل بیگ: الحمدللہ، شکریہ۔ یہ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تنگ وقت میں خط ارسال کیا اور آپ کو قلیل وقت میں تیاری کی تکلیف دی۔

محمد انور: بے شک اتنی جلدی تیار ہو کر گاڑی پر پہنچنے میں میرے راستے میں بعض روکیں تھیں۔ مگر میں نے ان کی پروا نہیں کی۔ کیونکہ آپ کی دل شکنی گوارا نہ تھی۔

افضل بیگ: مجھے بھی یہی امید تھی۔ قبلہ والد صاحب نے کرنال کے راستہ لاہور جانے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن میں نے کہا کہ میرا سہارنپور کے راستے جانا ضروری ہے کیونکہ میں اپنے دوست کو اسی راستے آنے کی اطلاع دے چکا ہوں۔

دونوں دوست اسی قسم کی گفتگو میں محو تھے کہ گاڑی نے روانگی کی وِسل دی۔ دونوں انٹر کے کمرہ میں بیٹھ گئے اور گاڑی روانہ ہوئی۔ افضل بیگ اور انور گہرے اور بے تکلف دوست تھے۔ اکٹھے لاء کالج لاہور میں تعلیم پاتے تھے اور اب موسمی تعطیلات گذار کر واپس لاہور آرہے تھے۔ ادھر اُدھر کی باتوں سے فارغ ہوکر افضل بیگ نے اپنے دوست کو یوں مخاطب کیا۔

افضل: سناؤ انور رخصتوں میں کیا شغل رہا۔ دماغ کو تازہ کرنے کے لئے سیر و تفریح بھی کی یا مطالعہ ہی میں مصروف رہے۔ واللہ تم تو کتابوں کے کیڑے ہو!

انور: کالج کی درسی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی تو اب کی دفعہ بہت کم فرصت ملی البتہ ایک کام میں نے قابلِ قدر کیا ہے جس کی وجہ سے میرا دل بے حد مسرور ہے اور ......

افضل: جلدی کہو انور۔ تم نے کون سی مہم سر کرلی جس پر اس قدر نازاں ہو۔

انور: بس جی ایک خدا کے بندے کا نیاز حاصل ہوگیا۔

افضل: کون خدا کا بندہ؟ ہمیں بھی تو معلوم ہو۔

انور: وہی جن کے نام نامی اور اسم گرامی سے تمام لوگ واقف ہیں۔ یعنی مولانا مفتی حسام الدین صاحب سہارنپوری فاضل دیوبندی۔

افضل: تو کیا ہوگیا ان کو۔ کچھ بتاؤ گے بھی۔

انور: بس دوست کچھ نہ پوچھو۔ مَیں نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ اپنے دوست چوہدری خلیل احمد صاحب کو لاہور پہنچتے ہی مرزائیت سے توبہ کراؤں گا۔

افضل: وہ کیسے؟

انور: یہی تو وہ بات ہے جس پر مجھے فخر ہے کہ مَیں نے مولانا کی صحبت میں رہ کر ایسے ایسے معلومات اور دلائل بہم پہنچائے ہیں کہ ہمارے دوست خلیل احمد کو توبہ کے بغیر بن نہ پڑے گی۔ کیونکہ وہ دلائل بہت زبردست ہیں۔ سچ پوچھو تو مرزائیت کو کُچل دینے والی چیز ہے۔

افضل: واقعی تم نے بڑا اچھا کام کیا ہے۔ ورنہ خلیل احمد نے تو ہمارا ناک میں دَم کر رکھا تھا۔ سناؤ کوئی لٹریچر بھی ان کے خلاف لائے ہو؟

انور: کیوں نہیں حال ہی میں ''جناب فاضل سوہدروی'' نے ایک کتاب ''داستانِ مرزا'' تالیف کی ہے۔ کتاب کیا ہے کوزہ میں دریا بند کر دیا ہے۔ وہ میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ فاضل موٴلف نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ کتاب مرزائیت کے خلاف ایک کاری حربہ ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد خلیل احمد کو یقیناً مرزائیت سے تائب ہونا پڑے گا۔

افضل: کہاں رکھی ہے آپ نے وہ کتاب دکھائیں تو۔

انور نے اپنے بکس سے کتاب نکالی اور افضل بیگ اس کے مطالعہ میں مصروف ہوگیا۔

(گاڑی لدھیانہ ریلوے اسٹیشن پر آکر رُکی)

تھوڑی دیر کے بعد ایک صاحب تشریف لائے اور اسی کمرہ میں بیٹھ گئے۔ ان کے ساتھی الوداع کہہ کر رخصت ہوئے اور گاڑی آہستہ آہستہ اسٹیشن سے روانہ ہوگئی۔ افضل تو مطالعہ میں مصروف تھا۔ انور نَووارد سے یوں ہمکلام ہوا۔

انور: آپ کہاں تشریف لے جائیں گے؟

مَیں امرتسر جارہا ہوں۔ نَووارد نے جواب دیا۔ وہاں ہمارا جلسہ ہے مجھے لیکچر کے لئے بلایا گیا ہے۔

آپ کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟ انور نے مستفسرانہ انداز سے سوال کیا۔

نَووارد: مَیں مسیحی ہوں اور میرا نام برکت مسیح ہے۔عیسائیت کی تبلیغ میرا کام ہے۔

پادری صاحب نے افضل بیگ کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر پوچھا: یہ آپ کون سی کتاب پڑھ رہے ہیں؟

افضل۔ ''داستانِ مرزا''

پادری صاحب: اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب دلچسپ ہے۔

انور: جی ہاں بے حد دلچسپ۔ فاضل موٴلف نے اس میں ثابت کیا ہے کہ مرزا صاحب انبیاء کی توہین کے مرتکب اور دائرہ اسلام سے خارج تھے اور لُطف یہ کہ مرزا صاحب کی اپنی ہی تحریرات سے۔

پادری صاحب: اس میں کیا شک ہے؟ آپ مسلمانوں کا تو عقیدہ ہے کہ جب تک تمام انبیاء پر ایمان نہ لایا جائے اس وقت تک کوئی فرد مسلمان نہیں کہلا سکتا۔مگر مرزا صاحب نے انبیاء کی شان میں اور بالخصوص ہمارے خداوند یسوع مسیح کی شان میں بے حد ہتک آمیز کلمات لکھے ہیں۔وہ مسلمان کیسے ہو سکتے ہیں اور ان کو اسلام سے کیا تعلق؟

انور: میرا تو عقیدہ ہے کہ مرزا صاحب دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

افضل: ہمارے ایک میرزائی دوست ہیں۔ جو ہمارے کلاس فیلو ہیں۔انہوں نے تو باتیں کر کر کے ہمارا دماغ چاٹ لیا تھا۔مگر اب امید ہے کہ اس کتاب کو پیش کر کے ہم یقیناً ان کو لاجواب کر دیں گے۔

پادری صاحب: گو مجھے آپ کے مذہب سے تعلق نہیں اور میں ایک غیر جانبدار آدمی ہوں۔مگر پھر بھی میں آپ کو یہ نصیحت کرنے سے رک نہیں سکتا کہ اس مرزائی کی باتوں پر ہرگز نہ جانا۔کیونکہ وہ آپ کو اسلام سے باہر لے جائے گا۔آپ خود ہی غور کریں کہ یہ لوگ حضرت خداوند یسوع مسیح کی اس قدر ہتک کرتے ہیں جیسے کہ آپ پر بھی واضح ہے۔پھر ان کے خارج از اسلام ہونے میں کیا شک ہے۔ کیونکہ آپ لوگوں کے قرآن میں ہمارے خداوند کی ایسی صفات بیان کی گئی ہیں کہ جن سے ان کے

تمام انبیاء سے اعلیٰ رُتبہ کا پتہ چلتا ہے۔ نیز احادیث میں بھی ایسی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانیت سے بالا تھے۔ پھر آپ کو اپنی کتب کے مطابق عقیدہ رکھنا چاہیے اور مرزا صاحب کی باتوں پر کان نہیں دھرنا چاہیے۔

انور: بے شک ہم مرزا صاحب کی کتابوں کو اسلام سے بعید سمجھتے ہیں۔ تاہم آپ نے جو فرمایا ہے قرآن اور احادیث سے ایسا ثابت نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا تھے یا تمام انبیاء سے بڑھ کر تھے۔ تمام انبیاء کے سردار اور خاتم النبیین تو ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

پادری صاحب: ہوں گے۔ مگر معاف فرمایئے گا مَیں نے جو بات پیش کی ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ قرآن سے ثابت ہے۔

انور: اس کا ثبوت؟

پادری صاحب: ثبوت؟ ایک نہیں کئی ثبوت ہیں۔ اچھا آپ میری باتوں کا جواب فرماتے جائیں۔ خود بخود واضح ہو جائے گا۔

انور: فرمایئے۔

پادری صاحب: آپ کے قرآنِ مجید سے کیا یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ آپ کے نبی جناب محمدؐ صاحب سے یا کسی اور نبی سے صفت خلق کا ظہور ہوا ہو۔

انور: مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔

پادری صاحب: میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے قرآنِ مجید یا کسی حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ ان سے یہ صفت ظاہر ہوئی ہو۔ آپ اس کو نوٹ کر لیں اور بے شک اپنے کسی عالم سے دریافت فرمالیں۔ مگر آپ کے قرآنِ مجید سے ہی یہ ثابت ہے کہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے اندر یہ صفت موجود تھی۔ جیسا کہ لکھا ہے۔

أَخۡلُقُ لَكُمۡ مِنَ الطِّينِ كَهَيۡـَٔةِ الطَّيۡرِ (اٰل عمران: 50) کہ حضرت مسیح خلق طیور کیا کرتے تھے۔

افضل: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

پادری صاحب نے اپنے بکس سے حمائل شریف نکالی اور جھٹ سے حوالہ نکال کر ان کو دکھایا اور اس کے نیچے سے اردو ترجمہ بھی پڑھ کر سنایا۔ افضل بیگ اور انور خاموش ہو گئے۔ دراصل اس کے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ کیونکہ وہ اس کا جواب نہ دے سکتے تھے۔

پادری صاحب: یہیں پر بس نہیں۔ ہمارے خداوند کے متعلق آپ کے قرآن میں کلمۃ اللہ اور روحٌ منہُ کے الفاظ درج ہیں اور آپ کے اس مرتبہ میں کوئی نبی ان کا شریک نہیں۔

انور: یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ ان کے متعلق ایسا لکھا ہے۔

پادری صاحب: تو آپ پھر کیوں حقیقی راہ نجات اختیار نہیں کرتے؟

انور۔نہیں ہمارا مذہب اسلام تمام دینوں سے اچھا ہے۔

پادری صاحب: مگر اس کا ثبوت؟

انور: اس کا ثبوت قرآنِ شریف سے ملتا ہے۔

پادری صاحب: آخر کوئی دلیل بھی تو ہو۔ دیکھو میں نے آپ کے قرآن سے ثابت کر دیا کہ مسیح کا اعلیٰ مرتبہ بیان کیا گیا ہے جو کسی اور نبی کا بیان نہیں ہوا۔ اور پھر آپ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ سوائے ہمارے یسوع مسیح کے اور کسی نبی کو آسمان پر نہیں اٹھایا گیا اور اس کے متعلق بھی آپ کے قرآن سے ہی ثبوت ملتا ہے۔ بلکہ آپ لوگ خود اس کے قائل ہیں۔

انور: ان کو تو مصیبت کی وجہ سے خدا نے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ ورنہ اس میں ان کی دیگر انبیاء پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

پادری صاحب: چہ خوب۔ تو کیا دوسرے انبیاء پر مصائب کے پہاڑ نہیں ٹوٹ پڑے، پھر ان کو کیوں یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا؟ خود آپ کے نبی محمدؐ صاحب پر بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہوئیں۔ ان کے قتل کے منصوبے کئے گئے، ان کو بے وطن کیا گیا، جنگ اُحد میں دشمنوں کے نرغہ میں آکر دو دانت ٹوٹ گئے اور آپؐ بے ہوش ہو گئے پھر ان کو خدا نے کیوں نہ آسمان پر اٹھا لیا؟ فرمایئے تو۔

انور: خدا نے ایسا مناسب نہ سمجھا۔

پادری صاحب: آخر کیوں؟ یہی تو میں پوچھتا ہوں کہ کیوں ہمارے مسیح کے وقت تو خدا نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا مگر آپ کے محمدؐ صاحب کے وقت مناسب نہ سمجھا۔ اس مناسب نہ سمجھنے سے ہی تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے خداوند یسوع مسیح تمام انبیاء سے افضل اور اعلےٰ تھے۔

انور: خواہ کچھ بھی ہو۔ بہر حال ہمارا دین سب سے اچھا اور کامل ہے۔

پادری صاحب: اچھا۔ اور کامل ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ آپ کے معتقدات کے مطابق آپؐ کی امت میں 70 دَجّال آئیں گے، جھوٹے اور کذاب نبی پیدا ہوں گے، اُمّت مختلف فرقوں میں منقسم ہو جائے گی، اور جیسا کہ آپ کے نبی صاحب نے فرمایا ہے کہ مسلمان یہودیوں سے بھی بدتر ہو جائیں گے۔ کیا یہی اچھا ہونے کی علامت ہے؟ اب تو آپ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی ابتری کا ملاحظہ بھی کر لیا ہے۔

انور: آپ کے بھی تو مختلف فرقے ہیں۔

پادری صاحب: ہمارے اندر بھی بے شک مختلف فرقے ہیں۔ مگر وہ آپ لوگوں کی طرح آپس میں دست و گریبان نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے اپنے اصول کے مطابق سارے تبلیغ میں مصروف ہیں۔ اور پھر ہمارے فرقوں کا تو سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ ہماری تو خداوند یسوع مسیح کے ہمارے گناہوں کا کفارہ ہونے کی وجہ سے نجات ہو چکی ہے۔ کیا آپ نے بھی نجات کو حاصل کر لیا ہے؟ جو مطمئن بیٹھے ہیں۔

انور: ہماری نجات تو اعمال پر منحصر ہے۔

پادری صاحب: یہ خیال درست نہیں۔کیونکہ انسان پیدائشی گنہگار ہے۔

انور: خواہ کچھ ہو۔ بہرصورت ہمارا دل مانتا ہے کہ ہمارا مذہب جس پر ہمارے باپ دادا کاربند تھے سب مذہبوں سے اچھا ہے۔

پادری صاحب: معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ مسلمان باپ کے گھر پیدا نہ ہوتے تو آپ مسلمان نہ ہوتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ انسان کو اپنے اجتہاد سے اچھا مذہب اختیار کرنا چاہیے۔ آپ بار بار اپنے مذہب کی تعریف میں رطب اللسّان ہیں۔ حالانکہ آپ کا مذہب جبر اور تشدّد کا مذہب ہے، اور آپ کا دین تلوار سے پھیلا ہے۔

افضل: بے شک ہمارے مذہب میں جہاد اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے اور غازی جنت کا وارث ہوتا ہے۔

پادری صاحب: اس سے معلوم ہوا کہ تلوار کے زور سے آپ کا دین بڑھا۔ ورنہ اس کے اندر کوئی جاذبیت اور روحانیت نہ تھی۔مگر اس کے مقابلہ میں ہمارا مذہب صلح وآشتی اور نرمی کا مذہب ہے۔ ہمارے خداوند نے ہم کو نصیحت کی ہے کہ تم کسی کو گالی نہ دو۔ اگر کوئی تم پر سختی بھی کرے تو اس کا جواب نرمی سے دو۔اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا اس کے سامنے پھیر دو۔کیا اس کی مثال آپ کے مذہب میں مل سکتی ہے۔آپ کے قرآن میں تو لڑنے اور جہاد میں شہید ہو کر جنت حاصل کرنے کا ذکر ہے وبس۔

انور: لیکن آپ ہم کو ہمارے مذہب سے متزلزل نہیں کر سکتے۔ہمارا عقیدہ پختہ ہے۔

افضل: حاشاوکلا۔ہمیں ہمارے مذہب سے کون بدظن کرسکتا ہے۔ ہمارے باپ دادا مسلمان، ہمارے نبی تمام نبیوں کے سردار، ہمارا قرآنِ شریف مکمل کتاب، پھر بھلا ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرتے پھریں۔

پادری صاحب: صاحبزادے! میں بھی مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا، میرے باپ دادا مسلمان تھے اور میں ایک معزز مسلم خاندان کا نونہال تھا۔ مگر بڑے ہوکر آزادی کے ساتھ تمام مذاہب کی چھان بین کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ حقیقی نجات مسیحیت میں ہے۔ چنانچہ میں نے اس مذہب کو اختیار کر لیا۔ اس لئے میں تم کو نیک نیتی اور دردمندی کے ساتھ نصیحت کرتا ہوں کہ مذہب کے نازک معاملہ میں خوب غور اور فکر کے ساتھ کام لینا چاہیے۔ اور جس مذہب سے حقیقی نجات حاصل ہو وہی اختیار کرنا چاہیے۔ اتنے میں گاڑی جالندھر کے اسٹیشن پر آکر رُکی۔ محمدؐ انور اور افضل نے ناشتہ کیا اور افضل نے اخبار احسان خرید کر پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پادری صاحب نے وہی اخبار افضل کے ہاتھ سے لے کر سرسری مطالعہ کے بعد ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

پادری: یہ دیکھئے اس میں ایک بڑا دلچسپ مضمون درج ہے۔ سُنیے مَیں آپ کو سنائے دیتا ہوں۔ لکھا ہے:

''آج کل احرار اور نیلی پوشوں میں جس قسم کی بحث و تکرار ہورہی ہے۔ اس کا نقشہ آج سے بہت پہلے سرسیّد احمد خاں مرحوم نے کھینچ دیا تھا۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے اور غور کیجئے کہ نقل مطابق اصل ہے یا نہیں''۔ جب کتّے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بُری نگاہ سے آنکھیں بدل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز ان کے نتھنوں سے نکلنے لگتی ہیں۔ پھر تھوڑا جبڑا کُھلتا ہے، دانت دکھائی دینے لگتے ہیں اور خفی سی آواز نکلنی شروع ہوتی ہے۔ پھر باچھیں چر کر کانوں سے نکلتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے۔ داڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں۔ مُنہ سے جھاگ نکل پڑتی ہے۔ اور عفیف آواز کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے چمٹ جاتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اس کے گلے میں اور اس کی ٹانگ اس کی کمر میں۔ اس کا کان اس کے مُنہ میں اور اس کا ٹینٹوا اس کے جبڑے میں اس نے اس کو کاٹا۔ اور اس نے اسے پچھاڑ کر بھنبوڑا۔ جو کمزور ہوا دُم دبا کر بھاگ نکلا''۔

سر سیّد احمد خاں مرحوم ہمدردانِ ملت میں سے تھے۔ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ اس معرکہ کارزار کو کتوں کی لڑائی سے تشبیہ دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان لڑائیوں کا تذکرہ ہمیشہ اس طرح کرتے ہیں۔ گویا واٹرلو کا معرکہ برپا ہے۔ یاہسپانوی بیڑے اور برطانوی جنگی جہازوں کا مقابلہ آ پڑا ہے۔لیڈروں کو ہمیشہ فیلڈ مارشل اور جنرل کہا۔ قومی کارکنوں کو کرنل اور میجر کے نام سے پکارا۔ رضا کاروں کے حق میں غازیان جلاوت شعار سے کم درجہ کی کوئی اصطلاح استعمال نہیں کی۔ پھر بھی اگر دونوں طرف کے بعض بزرگوار ہم سے ناراض ہیں تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

امرتسر میں فلسطین کانفرنس ہورہی تھی۔سرخ پوش اور نیلی پوش حسب عادت آپس میں لڑ پڑے۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ اس معرکہ کے متعلق کیا رائے ہے۔اس موقعہ پر بھی ہم نے حفظ مراتب کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اور عرض کیا کہ ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو دریائے نیل ہے۔ دوسری جانب بحیرہ احمر، ہم بیچارے دریائے راوی میں چپو چلانے والے۔ آبدار سمندروں اور دریاؤں کی لڑائی بھڑائی کے متعلق کیا جانیں؟ سرخپوش اور نیلی پوش حضرات انہیں دو جملوں سے ہماری عقیدتمندی کا اندازہ کر سکتے ہیں''۔ (احسان 5/اگست 1936ء)

پادری صاحب نے معنی خیز نظروں سے دونوں نوجوانوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ مسلمانوں کے اخبارات میں اسی قسم کے مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی امت میں بے حد ابتری اور فساد پھیلا ہوا ہے اور آئے دن مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں سر پھٹول ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے مسلمان بھی عجیب ہیں۔ کہ بجائے محبّت اور پیار کے ساتھ مِل کر بیٹھنے اور اپنے مذہب کے فرائض انجام دینے کے ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں۔ کیا یہی اس امت کے افضل اور اعلیٰ ہونے کا ثبوت ہے؟

ویسے تو اس قسم کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ مگر یہ دیکھیے دو پرچے اخبار احسان اور نیّر اسلام کے تو میرے پاس اس وقت بھی موجود ہیں۔ ان میں بھی اس قسم کے مضامین ہیں۔ سُنیے اخبار احسان 28/فروری 1936ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''اگر ان دونوں سوالوں کا جواب اثبات میں ہے۔تو ہم سمجھ لیں گے۔ کہ مجلسِ احرار اسلام کے مسالک و دعاوی کی حیثیت محض خالی خولی لفافے کی سی ہے۔ اور اس مجلس کے کرتا دھرتا لوگوں کے اقوال وافعال ہر لحاظ سے پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔اس حالت میں ہم مسلمانوں کو ٹھگوں کی اس ٹولی اور چوروں کی اس جمعیت سے بچنے کی تلقین کریں گے۔ جو بظاہر اسلام پرستی اور حریت نوازی کے بلند بانگ دعاوی کرتی ہے۔ لیکن دراصل عوام کالانعام کی طرح غرض پرستیوں کی اسی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔جس کی لازمی خصوصیات سرکار کی کاسہ لیسی کی مٹی اور برادریوں کے نام پر حصول عزوجاہ کی خواہش کا پانی ہیں''۔

دیکھیے اس میں آپ مسلمانوں کی ایک جماعت مجلسِ احرار کو ٹھگوں کی ٹولی اور چوروں کی جمعیت قرار دیا ہے۔کیا سچ مچ ایسا ہی ہے؟ مگر آپ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔جب ایک مسلمان اخبار نے ایسا لکھا ہے تو اس میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

پھر ذرا یہ مزیدار سی نظم بھی سُن لیں۔ جو اخبار نیّر اسلام لاہور کے 25/جون 1936ء کے پرچہ میں شائع ہوئی ہے۔اور غور فرمائیں کہ آپ لوگ اپنے ہی گھر میں کس قدر ایک دوسرے کو ذلیل و رُسوا کررہے ہیں۔ سُنیئے کیسے غضب کی نظم ہے۔

رسوا سر بازار ہے احرار کی ٹولی — لعنت میں گرفتار ہے احرار کی ٹولی

کونوں میں ہیں دبکے ہوئے مردان ''مجاہد'' — رسوائی سے دوچار ہے احرار کی ٹولی

از بس کہ سمجھتی تھی قیادت کو حق اپنا — بے یار و مددگار ہے احرار کی ٹولی

فطرت ہی میں جب قوم سے غداری ہے شامل — مجبور ہے لاچار ہے احرار کی ٹولی

کونسل کے لئے بیچ کے اسلام کی وحدت — عزت کی طلبگار ہے احرار کی ٹولی

لیکن یہی کہتی ہے مسلماں کی فراست ذلت کی خریدار ہے احرار کی ٹولی

سب ہمہمے تبلیغ کے کونسل کے لئے تھے مکار ہے عیار ہے احرار کی ٹولی

شیرازۂ ملت جو کیا اس نے پریشاں غدّار ہے غدّار ہے احرار کی ٹولی

بیگانوں سے ہے پیار تو اپنوں سے عداوت دلدادہ اغیار ہے احرار کی ٹولی

کچھ ملّتِ بیضاء سے نہیں اس کو سروکار وابستۂ سرکار ہے احرار کی ٹولی

کچھ خوف خداوند نہ ہے شرم پیمبرؐ ایمان سے بیزار ہے احرار کی ٹولی

سر اپنا جو مسجد کی حفاظت میں کٹا دیں کہتی انہیں مردار ہے احرار کی ٹولی

ناموس رسول عربی کا نہیں کچھ پاس یوں کہنے کو دیندار ہے احرار کی ٹولی

اغیار کی شہ پا کے غلامان نبی سے آمادۂ پیکار ہے احرار کی ٹولی

حق والوں کی ہر بات سے ہے آج اسے نفرت باطل کی پرستار ہے احرار کی ٹولی

جس کی بنا پر ہے فلک دشمنِ مسلم اس حق کی نگہدار ہے احرار کی ٹولی

وہ موت جو تذلیل کے سب داغ مٹا دے اس موت کی حقدار ہے احرار کی ٹولی

پادری صاحب نے جھوم جھوم کر یہ نظم ختم کی۔ انور اور افضل شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے کہ افسوس آج دشمن ہمارے حال پر کس قدر خوش ہے اور ہم کیا سے کیا ہو گئے۔ مگر ان کی خوش قسمتی کہ امرت سر کا اسٹیشن آ گیا۔ پادری صاحب نے آخری بار فاتحانہ انداز سے دونوں کو یوں مخاطب کیا۔

بتایئے دیکھ لیا اپنے دین اسلام اور امت محمدیہؐ کی افضلیت کو اور ملاحظہ کر لیا اسلام کا کامل اور مکمل ہونا۔ کہو اب بھی اس میں شک ہے کہ تمہارا مذہب جبر و تشدّد کا مذہب ہے۔ اگر دوسروں کے ساتھ موقعہ نہ ملا۔ تو آپس میں ہی خانہ جنگی شروع کر دی۔

اتنے میں گاڑی ٹھہر گئی۔ پادری صاحب امرتسر کے اسٹیشن پر اُترے اور اپنے بکس میں سے انگریزی بائبل کے دو نسخے نکال کر دونوں نوجوانوں کو دیتے ہوئے نصیحت کی کہ آپ اس کا مطالعہ ضرور کریں۔ اور ان سے مصافحہ کر کے رخصت ہوئے۔

محمد انور اور افضل بیگ شام کے بعد لاہور پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے دوست خلیل احمد اور حمید اللہ جن کو اس گاڑی پر آنے کی اطلاع مل چکی تھی استقبال کے لئے پلیٹ فارم پر موجود ہیں۔ چاروں دوست بڑے تپاک کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے۔ اور اسٹیشن سے نکل کر تانگے پر بیٹھ کر ہوسٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ اتنے میں گیارہ بج چکے تھے۔ ہوسٹل پہنچ کر انہوں نے اپنے کمروں میں سامان رکھا اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر سفر کی تکان کی وجہ سے سو رہے۔

دوسرا باب

علی الصبح خلیل احمد نے سائیکل لیا اور مسجد احمدیہ میں جاکر نماز فجر باجماعت ادا کی۔ وہاں سے واپس آیا تو اس کے تینوں دوست ابھی تک غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ خلیل احمد نے ان کو جگایا اور اپنے کمرے میں جاکر تلاوت قرآنِ مجید میں مشغول ہوگیا۔ اتنے میں اس کے دوستوں نے بھی منہ ہاتھ دھوئے اور چاروں کالج چلے گئے۔

چند دن اسی طرح گذر گئے۔ ایک دن جبکہ چاروں دوست ایک جگہ بیٹھے باتوں میں مشغول تھے۔ انور نے موقعہ مناسب سمجھ کر خلیل احمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ مسٹر خلیل کیا ہی اچھا ہوتا کہ جس طرح ہم چاروں میں دنیاوی لحاظ سے گہری دوستی ہے۔ اسی طرح ہم سب کا دین بھی ایک ہی ہوتا۔ تاکہ ہماری محبّت پہلے سے بھی زیادہ ترقی کر جائے۔

خلیل احمد: یہ تو آپ نے میرے دل کی کہی۔ مَیں ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہوں کہ کِسی طرح ہم سب ایک ہی دین کی لڑی میں منسلک ہوجائیں۔

انور: تو پھر آپ مرزائیت کو ترک کیوں نہیں کر دیتے؟ تاکہ یہ کانٹا راستے سے دور ہوجائے۔

خلیل احمد: یہ تو بالکل آسان ہے۔ اگر آپ کے خیال کے مطابق میں غلط راستے پر جارہا ہوں۔ تو آپ کا اور میرے ان دوستوں کا فرض ہے کہ دلیل سے قائل کر کے مجھے اپنا ہمنوا بنالیں۔ آخر احمدیت میں داخل ہوکر ہمیں جاگیریں تو حاصل نہیں ہوگئیں۔

بلکہ صرف دلائل، نشانات اور صداقت کو دیکھ کر ہم نے اس مذہب کو جو دراصل حقیقی اسلام ہے، قبول کیا ہے۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی طرف سے دلائل پیش کرے۔ اور دوسرے کے دلائل پر غور کرے۔ پھر جو راستہ درست معلوم ہو اس کو سب قبول کرلیں۔ یہ بات سن کر

انور کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں، اور افضل بیگ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ کیا میں نے آپ کو گاڑی میں ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ مَیں خلیل احمدؒ صاحب کو ضرور مرزائیت سے تائب کرالوں گا۔ کیونکہ مجھے ان کی سعادت مندی پر یقین تھا۔ اب دیکھئے انہوں نے کیسی صفائی سے اقرار کرلیا ہے کہ مَیں صداقت کا پجاری ہوں۔جس بات میں مجھے صداقت نظر آئے گی مَیں ضرور اسے قبول کرلوں گا۔

افضل: اب آپ اصل مقصد کی طرف آئیں اور اس کتاب داستانِ مرزا سے حوالے نکال کر ان کو قائل کریں کہ مرزا صاحب کسی صورت میں بھی نبی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ انہوں نے بعض انبیاء بالخصوص حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ہتک آمیز کلمات استعمال کئے ہیں۔

خلیل احمد: کتاب سے جب آپ حوالے نکال کر بتائیں گے۔ وہ تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ پہلے آپ اس کتاب کے نام سے ہی اندازہ لگالیں کہ لکھنے والے نے کس درجہ تک رواداری کا ثبوت دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعصّب اور بغض کی وجہ سے اس کا سینہ جل چکا ہے۔ یہاں تک کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصلی نام لینا بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ حالانکہ یہ اسلام کے صریح خلاف ہے کہ کسی مخالف سے بات کرتے وقت تہذیب اور شائستگی کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ اب آپ خود ہی غور فرمالیں کہ ایسے شخص کے دلائل کس قسم کے ہوں گے۔

افضل: اس بحث کو چھوڑیئے۔ہم نے تو واقعات کو لینا ہے۔ آپ ان اعتراضات کا جواب دیں۔

خلیل احمد: چشم ماروشن دل ماشاد۔بسم اللہ کیجئے۔

انور: بات یہ ہے کہ آپ کے مرزا صاحب نے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق توہین آمیز کلمات استعمال کئے ہیں۔ اس لئے ان کا نبی یا رسول ہونا تو درکنار وہ مسلمان کہلانے کے بھی مستحق نہیں۔ کیونکہ ایک مومن ہرگز کسی نبی کے متعلق ہتک آمیز کلمات استعمال نہیں کرسکتا۔

خلیل احمد: حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کا تمام انبیاء پر دل سے ایمان ہے اور ہم ان سب کی عزت وتکریم کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ باقی رہا آپ لوگوں کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو

دائرہ اسلام سے خارج سمجھنا تو اس سے بھی حضور علیہ السلام کی صداقت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں امت محمدیہ میں آنیوالے مسیح اور مہدی کی یہ علامت بتاتا ہے کہ **وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ** (الصّف:8) کہ جس وقت وہ خدا کا نبی دنیا میں مبعوث ہوگا۔لوگ اس کی شدید مخالفت کریں گے۔ اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے دعوت دیں گے کہ آؤ ہمارے اسلام میں دوبارہ داخل ہو جاؤ۔

انور: مگر اس وقت تو یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ کے مرزا صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ہتک کی ہے جیسا کہ حوالہ جات سے ثابت ہے مثلاً آپ کے مرزا صاحب دافع البلاء صفحہ 36 پر لکھتے ہیں۔

''مسیحؑ کی راستبازی اپنے زمانہ کے دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اُس کے سر پر عطر ملا تھا۔ یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا۔ یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اس وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصُور رکھا۔ مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے لکھنے سے مانع تھے''۔

اس عبارت میں مرزا صاحب نے کھلے الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دو الزام لگائے ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ شرابی تھے۔ دوم یہ کہ وہ فاحشہ عورتوں سے ملا کرتے تھے۔

پھر ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 7 کا حوالہ بھی ملاحظہ فرمائیں، لکھا ہے۔

''آپ (یسوع مسیح) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں۔ جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ مگر شائد یہ بھی خدائی کے لئے ایک شرط ہوگی۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شائد اسی وجہ سے ہو۔ جدّی مناسبت درمیان ہے۔ ورنہ کوئی پرہیز گار انسان ایک جوان کنجنی کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر

پر اپنے ناپاک ہاتھ لگائے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔سمجھنے والے سمجھ لیں ایسا انسان کس چلن کا ہوسکتا ہے''۔

افضل: استغفر اللہ۔اس عبارت میں تو حضرت مسیح علیہ السلام کی انتہائی ہتک کی گئی ہے۔

خلیل احمد: آپ کی مراد حضرت مسیح علیہ السلام سے وہ مسیح ہیں جن کا ذکر قرآنِ مجید میں موجود ہے۔

انور: ہاں

خلیل احمد: اس مسیح علیہ السلام کی ہرگز ہتک نہیں کی گئی۔ ان کے متعلق تو ہمارا ایمان ہے کہ وہ راستباز خداتعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے ہوئے نبی اور مقربین میں سے تھے۔جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداتعالیٰ کا سچّا نبی اور نیک اور راستباز مانتے ہیں۔تو پھر کیونکر ہماری قلم سے سخت لفظ نکل سکتے ہیں''۔ (کتاب البریّہ صفحہ 93)

پھر کشتی نوح صفحہ 16 پر تحریر فرماتے ہیں:

''اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کا منکر نہیں۔گو خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے۔لیکن تاہم میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں۔کیونکہ مَیں روحانیت کی رُو سے اسلام میں خاتم الخلفاء ہوں۔جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لئے خاتم الخلفاء تھا۔ موسیٰؑ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔اور محمدی سلسلہ میں مَیں مسیح موعود ہوں۔سو مَیں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں۔اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ مَیں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا''۔

اسی طرح ضیاء الحق صفحہ 41 پر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

''چونکہ قرآنِ مجید نے حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کردی ہے۔اس لئے ہم بہرحال حضرت مسیح کو سچا نبی کہتے اور مانتے ہیں اور ان کی نبوت سے انکار کرنا کفر صریح قرار دیتے ہیں''۔

کشتی نوح صفحہ 16 پر فرماتے ہیں:

''مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ مَیں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔ بلکہ مسیح تو مسیح مَیں تو ان کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ پانچوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ مَیں تو حضرت مسیح کی دونوں حقیقی ہمشیروں کو بھی مقدسہ سمجھتا ہوں۔ کیونکہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے ہیں''۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درجہ بہت بلند تھا۔ اور ہم ان کے نبی اور مامور من اللہ ہونے پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ توہین آمیز کلمات ان کی شان میں تحریر نہیں فرمائے گئے۔

انور: پھر اس قسم کے الفاظ کس کو مخاطب کر کے لکھے گئے ہیں؟

خلیل احمد: الزامی رنگ میں یہ اس فرضی مسیح کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جس کو عیسائی خدا گردانتے ہیں۔

انور: تو کیا مسیح دو ہیں؟

خلیل احمد: حقیقت میں تو ایک ہی وجود ہے مگر صفات کے لحاظ سے اس کی تصویریں الگ الگ ہیں۔ ایک حقیقی اور ایک فرضی یا وہمی۔ حقیقی وہ ہے جو قرآن نے بیان کی ہے۔ اس پر ہم دل و جان سے ایمان رکھتے ہیں اور فرضی یا وہمی وہ ہے جس کو عیسائی انجیل کی رُو سے پیش کرتے ہیں۔

افضل: یہ تو آج آپ نے نیا انکشاف کیا کہ مسیح کی دو تصویریں ہیں ہم تو آج تک مسیح علیہ السلام کی ایک ہی تصویر سمجھتے تھے۔

خلیل احمد: معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میری بات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ورنہ بات بالکل واضح ہے۔ لیجئے میں آپ کو مثال کے ساتھ سمجھاتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ آریوں کے نزدیک خدا تعالیٰ روح اور مادہ کا خالق نہیں۔ بلکہ روح اور مادہ دونوں خدا کی طرح ازلی، ابدی ہیں۔ گویا

ان کے نزدیک خدا تعالیٰ قادر مطلق نہیں اور نہ ہی وہ روح، مادہ کا خالق ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان کسی آریہ کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے کہ ''تمہارا خدا بھی کوئی خدا ہے۔ وہ تو اتنا کمزور ہے کہ کوئی چیز پیدا ہی نہیں کرسکتا'' تو کیا آپ اس فقرہ سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ آریوں کا خدا اور مسلمانوں کا خدا دو الگ الگ وجود ہیں۔

افضل: نہیں۔ بلکہ ایسا فقرہ مخاطب کے اعتقاد کے مطابق کہا جائے گا۔ ورنہ ہمارا سب کا خدا ایک ہی ہے۔

خلیل احمد: اور یہ بھی بتایئے کہ اگر ایسا فقرہ استعمال کرنے سے کوئی نادان لَٹھ لے کر کھڑا ہو جائے کہ دیکھو یہ کس قدر گستاخ ہے۔ اس نے خدا تعالیٰ کے متعلق ناواجب الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تو کیا ایسا شخص حق بجانب ہو گا؟

افضل۔ نہیں بلکہ ہم اسے جاہل قرار دیں گے۔

خلیل احمد: ایسے الفاظ استعمال نہ کریں۔ محمد انور صاحب ناراض ہو جائیں گے۔

انور: اس میں ناراضگی کی کون سی بات ہے۔ ابھی تو اور بہت سے حوالہ جات باقی ہیں جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ضرور آپ کے مرزا صاحب نے مسیح کی ہتک کی ہے۔

خلیل احمد: بہتر ہو کہ آپ ایسے تمام حوالہ جات کو یکجائی طور پر بیان کر دیں۔ تاکہ میں ان کا اکٹھا جواب پیش کر دوں

انور: سُنیے آپ کے مرزا صاحب کشتی نوح صفحہ 65 کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے''۔

بدر 7 نومبر 1902ء کے صفحہ 10 پر مرزا صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے:

''حضرت (یعنی مرزا صاحب) نے فرمایا کہ یحییٰ جو نشہ نہیں پیتے تھے تو معلوم ہوا کہ اس وقت بھی منع تھی۔ پھر مسیح نے مرشد کی تقلید کیوں نہ کی''۔

پھر نسیم دعوت صفحہ 65 پر آپ صاف لکھتے ہیں۔

''حضرت عیسیٰ شراب پیا کرتے تھے''

رسالہ ریویو آف ریلیجنز اپریل 1913ء کے صفحہ 149 پر لکھا ہے۔

''اگر میں ذیابیطس کے لئے افیون کھانے کی عادت کرلوں تو مَیں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح شرابی تھا اور دوسرا افیونی''

پھر آپ کے مرزا صاحب فرماتے ہیں:

یہ لوگ (عیسائی) اس شخص (یسوع مسیح) کو تمام عَیبوں سے مبرّا سمجھتے ہیں۔

''جس نے خود اقرار کیا کہ ''میں نیک نہیں''۔ اور جس نے شراب خوری اور قماری بازی اور کھلے طور پر دوسروں کی عورتوں کو دیکھنا جائز رکھا۔ بلکہ آپ ایک بدکار سے اپنے سر پر حرام کی کمائی کا تیل ڈلوا کر اور اس کو یہ موقع دے کر کہ وہ اس کے بدن سے بدن لگائے۔ اپنی تمام امت کو اجازت دے دی کہ ان باتوں میں سے کوئی بھی حرام نہیں''۔ (انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 38)

خلیل احمد: میں نے بتا دیا ہے کہ یہ تمام الفاظ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق استعمال نہیں کئے گئے۔ بلکہ عیسائیوں کے فرضی مسیح کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں اور ان الفاظ کے نقل کرنے کی وجہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نورالقرآن نمبر 2 (روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 376) کے صفحہ 1 پر فرماتے ہیں۔

''امابعد۔ واضح ہو کہ چونکہ پادری فتح مسیح متعین فتح گڑھ ضلع گورداسپور نے ہماری طرف ایک خط نہایت گندہ بھیجا۔ اور اس میں ہمارے سیّد و مولا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر زناء کی تہمت لگائی۔ اور سوا اس کے اور بہت سے الفاظ بطریق سب و شتم استعمال کئے۔ اس لئے قرینِ مصلحت معلوم ہوا کہ اس

کے خط کا جواب شائع کر دیا جاوے۔ لہٰذا یہ رسالہ لکھا گیا۔ امید کہ پادری صاحبان اس کو غور سے پڑھیں اور اس کے الفاظ سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ کیونکہ یہ تمام پیرایہ میاں فتح مسیح کے سخت الفاظ اور نہایت ناپاک گالیوں کا نتیجہ ہے۔ تاہم ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ مقدس کا بہر حال لحاظ ہے۔ اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی سخت مجبوری سے کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دُکھایا ہے''۔

اور حضرت اقدس فتح مسیح کے خط کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اب ہم یہ خط بطور نوٹس کے آپ کو بھیجتے ہیں کہ اگر پھر ایسے ناپاک الفاظ آپ نے استعمال کئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ناپاک تہمت لگائی۔ تو ہم بھی فرضی اور جعلی خدا کی وہ خبر لیں گے جس سے اس کی تمام خدائی ذلت کی نجاست میں گرے گی۔ اے نالائق کیا تو اپنے لفظ میں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر زناء کی تہمت لگاتا ہے۔ اور فاسق و فاجر قرار دیتا ہے۔ اور ہمارا دل دکھاتا ہے۔ ہم کسی عدالت کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اور نہ کریں گے۔ مگر آئندہ کے لئے سمجھاتے ہیں کہ ایسی ناپاک باتوں سے باز آجاؤ اور خدا سے ڈرو جس کی طرف پھرنا ہے۔ اور حضرت مسیح کو بھی گالیاں مت دو۔ یقیناً جو کچھ تم جناب مقدس نبوی کی نسبت بُرا کہو گے۔ وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ مگر ہم سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں۔ جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا نہ بیٹا ہونے کا۔ اور جناب محمد مصطفےٰ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی۔ اور ان پر ایمان لایا''۔

(نور القرآن نمبر 2، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 395)

پھر حضرت اقدس ''اشتہار قابل توجہ ناظرین'' میں فرماتے ہیں۔

''اس بات کو ناظرین یاد رکھیں کہ عیسائی مذہب کے ذکر میں ہمیں اسی طرز سے کلام کرنا ضروری تھا۔ جیسا کہ وہ ہمارے مقابل پر کرتے ہیں۔ عیسائی لوگ درحقیقت ہمارے اس عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں

مانتے جو اپنے تئیں صرف بندہ اور نبی کہتے تھے۔ اور پہلے نبیوں کو راستباز جانتے تھے۔ اور آنے والے نبی حضرت محمد ﷺ پر سچے دل سے ایمان رکھتے تھے۔ اور آنحضرت محمد ﷺ کے بارہ میں پیش گوئی کی تھی۔ بلکہ ایک شخص یسوع نام کو مانتے ہیں جس کا قرآن میں ذکر نہیں اور کہتے ہیں کہ اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو بٹمار وغیرہ ناموں سے یاد کرتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے نبی کریم ﷺ کا سخت مکذب تھا اور اس نے یہ بھی پیشگوئی کی تھی کہ میرے بعد سب جھوٹے ہی آئیں گے۔ سو آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ قرآنِ شریف نے ایسے شخص پر ایمان لانے کے لئے ہمیں تعلیم نہیں دی۔ بلکہ ایسے لوگوں کے حق میں صاف فرما دیا ہے کہ اگر کوئی انسان ہو کر خدائی کا دعویٰ کرے تو ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے۔ اسی سبب سے ہم نے عیسائیوں کے یسوع کے ذکر کرنے کے وقت اس ادب کا لحاظ نہیں رکھا۔ جو سچے آدمی کی نسبت رکھنا چاہیے۔ ایسا آدمی اگر نابینا نہ ہوتا تو یہ نہ کہتا کہ میرے بعد سب جھوٹے ہی آئیں گے۔ اور اگر نیک اور ایماندار ہوتا تو خدائی کا دعویٰ نہ کرتا۔ پڑھنے والوں کو چاہیے کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ سمجھ لیں۔ بلکہ وہ کلمات اس یسوع کی نسبت لکھے گئے ہیں۔ جس کا قرآن وحدیث میں نام و نشان نہیں''۔

(تبلیغ رسالت، مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 296-295)

حمید اللہ: ان حوالہ جات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مرزا صاحب نے مسیح علیہ السلام کی ہتک نہیں کی۔ بلکہ الزامی جواب دیتے ہوئے ان کے فرضی مسیح کے متعلق ایسا کہا ہے لیکن یہ حوالہ جات ہم کو دکھائیں بھی تو سہی۔

خلیل احمد نے اپنی الماری میں سے کتابیں نکال کر مذکورہ بالا تمام حوالہ جات دکھائے اور کہا۔ اور سُنیئے یہ میرے ہاتھ میں ''تبلیغِ رسالت'' جلد چہارم ہے اس کے صفحہ 65،66 پر حضور علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''ناظرین کے لئے ضروری اطلاع'' ہم اس بات کو افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک شخص کے مقابل پر یہ نمبر نور القرآن کا جاری ہوا ہے۔ جس نے بجائے مہذبانہ کلام کے ہمارے سیّد و مولیٰ

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نسبت گالیوں سے کام لیا ہے۔ اور اپنی ذاتی خباثت سے اس امام الطیبین وسیّد المطہرین پر سراسر افترا سے ایسی تہمتیں لگائی ہیں کہ ایک پاک دل انسان کا ان کے سُننے سے بدن کانپ جاتا ہے۔ لہٰذا محض ایسے یاوہ گو لوگوں کے علاج کے لئے جواب ترکی بہ ترکی دینا پڑا۔ ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خداتعالیٰ کے سچے نبی اور اس کے پیارے تھے۔ اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآنِ مجید ہمیں خبر دیتا ہے۔ اپنی نجات کے لئے ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر دل و جان سے ایمان لائے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے۔ پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں لیکن عیسائیوں نے ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور بجز اپنے نفس کے تمام اوّلین و آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا۔ یعنی ان بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے۔ ایسے شخص کو ہم بھی رحمت الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں۔ قرآن نے ہمیں اس گستاخ اور بدزبان یسوع کی خبر نہیں دی۔ اس شخص کے چال چلن پر ہمیں نہایت حیرت ہے جس نے خدا پر مرنا جائز رکھا اور آپ خدائی کا دعویٰ کیا اور ایسے پاکوں کو جو ہزارہا درجہ اس سے بہتر تھے گالیاں دیں۔ سو ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی مسیح مراد لیا ہے۔ اور خداتعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسیٰ بن مریم جو نبی تھا۔ جس کا ذکر قرآنِ شریف میں ہے۔ وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں۔ اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبان کی گالیاں سن کر اختیار کیا ہے۔ بعض نادان مولوی جن کو اندھے اور نابینا کہنا چاہیے عیسائیوں کو معذور رکھتے ہیں کہ وہ بیچارے کچھ بھی منہ سے نہیں بولتے، اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کچھ بے ادبی نہیں کرتے۔ لیکن یاد رہے کہ درحقیقت پادری صاحبان تحقیر توہین اور گالیاں دینے میں اوّل نمبر پر ہیں۔ ہمارے پاس ایسے پادریوں کی کتابوں کا ذخیرہ ہے جنہوں نے اپنی عبارت کو صدہا گالیوں سے بھر دیا ہے۔ جس مولوی کی خواہش ہو آ کر دیکھ لیوے۔ اور یاد رہے کہ آئندہ جو پادری گالی دینے کے طریق

کو چھوڑ کر ادب سے کلام کریں گے۔ہم بھی ان کے ساتھ ادب سے پیش آویں گے۔اب تو وہ اپنے یسوع پر آپ حملہ کر رہے ہیں کہ کسی سب وشتم سے باز نہیں آتے۔ہم سُنتے سُنتے تھک گئے۔اگر کوئی کسی کے باپ کو گالی دے تو کیا اس مظلوم کا حق نہیں کہ وہ اس کے باپ کو گالی دے اور ہم نے جو کچھ کہا واقعی کہا۔ انما الاعمال بالنیات'' (تبلیغ رسالت، مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 201-191)

پھر یہ دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 8،9 کے حاشیہ پر فرماتے ہیں:

''بالآخر ہم لکھتے ہیں کہ ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ انہوں نے ناحق ہمارے نبی ﷺ کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا (اگر پادری اب بھی اپنی پالیسی بدل دیں اور عہد کر لیں کہ آئندہ ہمارے نبی ﷺ کو گالیاں نہیں نکالیں گے تو ہم بھی عہد کریں گے کہ آئندہ نرم الفاظ کے ساتھ ان سے گفتگو ہوگی ورنہ جو کچھ کہیں گے اس کا جواب سنیں گے) کہ ان کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اسی پلید نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو زانی لکھتا ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سی گالیاں دی ہیں۔ پس اس طرح اس مردار اور خبیث فرقہ نے جو مردہ پرست ہے ہمیں اس بات کے لئے مجبور کر دیا ہے کہ ہم ان کے یسوع کے کسی قدر حالات لکھیں۔ اور مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا۔ اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا۔ اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔ نادان پادریوں کو چاہیے کہ بدزبانی اور گالیوں کا طریق چھوڑ دیں۔ ورنہ نہ معلوم خدا کی غیرت کیا کیا ان کو دکھلائے گی''۔ (ضمیمہ انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 293-292 حاشیہ)

اب ان تمام حوالہ جات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس قسم کے الفاظ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق استعمال نہیں فرمائے۔ جو خدا کے نبی اور مامور من اللہ تھے۔ بلکہ عیسائیوں کے فرضی اور وہمی خدا کے متعلق لکھے ہیں۔جس کا نام عیسائی لوگ یسوع بتاتے ہیں اور جس کا قرآنِ مجید میں کوئی ذکر نہیں۔ اور وہ بھی الزامی رنگ میں اور مخالف کے رویّہ سے تنگ آ کر۔ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو پاکیزہ الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے استعمال فرمائے ہیں۔ ان کا ذکر مَیں پہلے کر چکا ہوں۔ ایک حوالہ اور سن لیں جس میں حضور علیہ السلام حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں:

''ہم اس بات کے لئے بھی خداتعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداتعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں۔ اور ان کی نبوت پر ایمان لائیں۔سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں جو ان کی شان بزرگ کے برخلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکا کھانے والا اور جھوٹا ہے''۔ (ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 228)

پھر فرمایا: ''اور یاد رہے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت کرتے ہیں اور ان کو خداتعالیٰ کا نبی سمجھتے ہیں۔ اور ہم ان یہودیوں کے ان اعتراضات کے مخالف ہیں۔ جو آجکل شائع ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں یہ دکھلانا منظور ہے کہ جس طرح یہود محض تعصّب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی انجیل پر حملے کرتے تھے۔ اسی رنگ کے حملے عیسائی قرآنِ شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں۔عیسائیوں کو مناسب نہ تھا کہ اس بدطریق میں یہودیوں کی پیروی کرتے''۔

(چشمہ مسیحی مقدمہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 337)

نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام ''البلاغ'' حاشیہ صفحہ 79 سن 1899ء پر تحریر فرماتے ہیں:

''هذا ما كتبنا من الاناجيل علىٰ سبيل الالزام وانا نكرم المسيح ونعلم انه كان تقياً ومن الانبياءِ الكرام''۔ (البلاغ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 451)

ترجمہ: یہ کہ ہم نے عیسائیوں کے بالمقابل (ان کے فرضی مسیح کے متعلق) جو کچھ لکھا ہے۔ یہ سب الزامی رنگ میں لکھا ہے۔ ورنہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت کرتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ پارسا اور برگزیدہ انبیاء میں سے تھے۔

حمیداللہ: نامعلوم ان کے مرزا صاحب نے اپنے مریدوں کے اندر کون سی گیس بھر دی ہے کہ ابھی دیکھو ہمارے دوست خلیل احمد صاحب نے کہا تھا کہ ایک حوالہ اور سُن لو مگر ایک ہی سانس میں تین چار حوالے پڑھ کر سُنا دیئے۔

انور: اچھا ہوا۔ انہوں نے خود ہی ایسے حوالے پیش کر دیئے۔ تا کہ لکھے پڑھے لوگ اندازہ لگا سکیں کہ مرزا صاحب بھی عجیب آدمی تھے کہ کبھی کچھ لکھتے ہیں اور کبھی کچھ کہہ دیتے ہیں۔ حمید صاحب! کیا اب بھی آپ سمجھے یا نہیں کہ مرزا صاحب کے کلام میں بہت بڑا تناقض ہے جس کی وجہ سے وہ ایک لائق مصنف بھی نہیں کہلا سکتے۔ اور مرزا صاحب خود اپنی کتاب ست بچن کے صفحہ 30 پر لکھتے ہیں ''کہ جس کے کلام میں تناقض ہوتا ہے وہ پاگل یا مجنون ہوتا ہے''۔

خلیل احمد: ماشاءاللہ آپ لا کالج کے طالب علم ہیں۔ اور چند دنوں کے بعد پلیڈر اور ماہر قانون کہلائیں گے۔ مگر افسوس ابھی تک آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ تناقض کس کو کہتے ہیں۔ سُنیئے تناقض کی تعریف یہ ہے:

در تناقض ہشت وحدت شرط داں
وحدت موضوع و محمول و مکاں
وحدت شرط و اضافت جزو کل
قوت و فعل است در آخر زماں

پس کوئی عبارت اسی صورت میں متناقض کہلا سکتی ہے جبکہ اس میں ان شرائط میں سے کوئی ایک موجود ہو۔ مگر اس جگہ پر ان میں سے کوئی شرط نہیں پائی جاتی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام اس

صورت میں متضاد ہوسکتا تھا کہ ایک ہی شخص کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہوتے۔ مگر ایسا نہیں بلکہ جیسا کہ مَیں ظاہر کر چکا ہوں۔ جہاں پر حضور نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو راستباز خدا کا سچا نبی اور رسول گردانا۔ اس سے مراد وہ مسیح ہے جس کا ذکر قرآنِ مجید نے فرمایا ہے۔ اور جس پر ہم سب کا ایمان ہے۔ مگر جہاں پر الزامی رنگ میں مسیح کے متعلق ایسے کلمات استعمال کئے گئے ہیں جن سے توہین کا پہلو نکالا جاتا ہے اس سے عیسائیوں کا ''فرضی مسیح'' اور ''جعلی خدا'' اور ''وہمی یسوع'' مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اور یاد رہے کہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا۔ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی بھی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں''۔ (انجام آتھم صفحہ 13)

اور جیسا کہ میں نور القرآن نمبر 2 صفحہ 20 کے حوالہ سے بتا چکا ہوں۔ حضورؑ نے اس بات کو واضح فرما دیا ہے کہ جو کچھ تم جناب مقدس نبویؐ کی نسبت بُرا کہو گے۔ وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ مگر ہم اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا، نہ بیٹا ہونے کا اور جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی اور ان پر ایمان لایا۔
(نور القرآن نمبر 2، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 395)

اب دیکھو کیسی وضاحت کے ساتھ حضور کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ الزامی رنگ میں کہا گیا ہے وہ عیسائیوں کے فرضی مسیح کو کہا گیا ہے۔ نہ سچے مسیح کو۔ اب اس میں تناقض کہاں ہے۔ تناقض تو اس صورت میں ہوسکتا تھا جبکہ ایک ہی شخص کے متعلق مختلف اقوال پیش کئے جاتے۔

انور: لیکن یہ آپ نے فرضی مسیح کہاں سے نکال لیا۔ مسیح تو ایک ہی ہے جس کو عیسائی اور مسلمان دونوں مانتے ہیں۔ پھر ایسے الفاظ کیوں لکھے گئے۔

خلیل احمد: اس کا جواب بھی میں حضور علیہ السلام کے الفاظ میں ہی پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ میرے منہ سے نہیں نکلا یہ سب مخالفوں کا افترا ہے۔ ہاں چونکہ درحقیقت کوئی ایسا یسوع مسیح نہیں گذرا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو اور آنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جھوٹا قرار دیا ہو اور حضرت موسیٰ کو ڈاکو کہا ہو اس لئے مَیں نے فرضِ محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں راستباز نہیں ٹھہرسکتا۔ لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے اور خاتم الانبیاء کا مصدِّق ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں''۔(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 305، حاشیہ)

اب اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقتاً مسیح اور یسوع دو الگ الگ وجود نہیں تھے۔ بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسا مسیح یا ایسا یسوع کہ انجیل کے بیان کے مطابق جس کے یہ کلمات ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام (نعوذباللہ) ڈاکو یا بٹمار تھے۔ اور یہ کہ میرے بعد سب جھوٹے اور کاذب نبی پیدا ہوں گے۔ وہ خدا ہونا تو درکنار ایک ادنیٰ درجہ کا راستباز آدمی بھی نہیں ٹھہرسکتا۔ پس ایسے مسیح یا یسوع کو فرض محال کے طور پر تصور کیا گیا ہے۔

انور: مان لیا کہ آپ کے مرزا صاحب نے الزاماً لکھا ہے۔ مگر خدارا یہ بتا دیجیے کہ یہ کہاں کا اسلام ہے کہ اگر عیسائیوں کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہا جائے تو ان کے مقابل پر حضرت مسیح کی توہین کی جائے۔

خلیل احمد: مگر اس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین مراد نہیں لی جاسکتی۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ''تفسیر القول بما لا یرضٰی به قائلُهُ'' کا نقص لازم آتا ہے۔ ان الفاظ کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ اے عیسائیو! تم ناحق ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گندہ دہنی اور بہتان تراشی سے کام لیتے ہو۔ ذرا اپنے ''فرضی مسیح'' اور ''جعلی خدا'' کا نقشہ بھی تو دیکھ لو جو خود

تمہاری انجیل نے پیش کیا ہے۔ پھر تم کس طرح راستبازوں پر ہاتھ ڈال سکتے ہو۔ جب تمہارے اپنے گھر کا یہ حال ہے۔

حمید اللہ: تو کیا مرزا صاحب نے ایسی تمام باتیں عیسائیوں کے مسلمات سے پیش کی ہیں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا؟

خلیل احمد: یہ تمام باتیں عیسائیوں کی اپنی مسلّمہ کتب میں موجود ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ پس جبکہ یہ تمام باتیں عیسائیوں کی اپنی کتب میں موجود ہیں تو پھر انہی باتوں کے دُہرا دینے سے کسی دوسرے پر توہین کا الزام کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک شخص اندھا ہے اس کو اندھا کہہ دینے سے۔ یا ایک شخص چور ہے اور اس پر چوری کا جُرم ثابت ہو چکا ہے۔ اس کو چور کہہ دینے سے......... یا کوئی شخص گذرگاہ پر بیٹھ کر تمام لوگوں کے سامنے جوأ کھیلتا ہے۔ اس کو قمار باز کہہ دینے سے کہنے والے پر سوائے اس کے کیا الزام دیا جا سکتا ہے کہ اس نے حقیقت کا اظہار کر دیا۔

حمیداللہ: واقعی اگر یہ تمام باتیں عیسائیوں کے مسلمات میں موجود ہوں تو پھر ان کے بیان کرنے سے مرزا صاحب پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔ مگر آپ وہ حوالے دکھا دیں۔

محمد انور: لیکن ابھی تو اور بھی بہت سے حوالے ہیں جو اس کتاب ''داستانِ مرزا'' میں درج کئے گئے ہیں۔ ان کا بھی تو جواب دے لیں۔ لیجئے میں آپ کو اس میں سے پڑھ کر سناتا ہوں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''عیسائیوں نے بہت سے یسوع کے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا''۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 6)

پھر اخبار الحکم 21 فروری 1902ء کی اشاعت میں لکھا ہے:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسیٰؑ نوجوان لڑکیوں سے ملا کرتا تھا اور ایک بازاری فاحشہ عورت اس کے سر پر عطر ملا کرتی تھی۔ عیسیٰ ایک لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ اور اس کے حسن و جمال کی تعریف اپنے استاد کے سامنے کی تو اس نے اس کو اپنے پاس سے ہٹا دیا''۔

انجام آتھم صفحہ 12 پر لکھتے ہیں:

''بلکہ حضرت یسوع صاحب نے نہایت درجہ کی ذلت دیکھی۔ مُنہ پر تھوکا گیا اور آپ کے اس حصّہ جسم پر کوڑے لگائے گئے جہاں مجرموں کو لگائے جاتے ہیں اور حوالات میں کیا گیا''۔

اسی طرح ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 9 پر لکھا ہے:

''عیسیٰ جو آوارہ، بداخلاق، متکبر، جھوٹا تھا۔ ایک شریف انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو انبیاء میں شمار کیا جائے''۔

اور سنیے! مرزا صاحب ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 7،6 پر یوں فرماتے ہیں:

''کذب و افتراء عیسیٰ کی فطرت میں داخل تھا۔ اس نے اپنے یہودی استاد سے تورات پڑھی لیکن اس کو عقل نہیں دی گئی۔ اس کی بے عقلی کی یہ دلیل ہے کہ استاد نے اس کو اچھی تعلیم نہیں دی۔ بہرحال عیسیٰ علمی اور عملی دونوں پہلو سے کمزور اور دماغی خلل میں مبتلا تھا''۔

اسی طرح ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 5،6 پر لکھا ہے:

''بلکہ میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں۔ کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔ جن جن پیشگوئیوں کا اپنی ذات کی نسبت تورات میں پایا جانا آپ نے فرمایا ہے۔ ان کتابوں میں آپ کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ وہ اوروں کے حق میں تھیں جو آپ کے تولّد سے پہلے پوری ہو گئیں اور نہایت شرم کی بات یہ ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے۔ یہودیوں کی کتاب طالمود سے

چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا یہ میری تعلیم ہے۔ لیکن جب سے یہ چوری پکڑی گئی عیسائی بہت شرمندہ ہیں''۔

ازالہ اوہام صفحہ 345 پر مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت مسیح کی پیشگوئیوں کا سب سے عجیب تر یہ حال ہے۔ بار بار انہوں نے کسی پیشگوئی کے معنے کچھ سمجھے اور آخر کچھ اور ہی ظہور میں آیا''۔

اور سُنیے! حضرت مسیح کا مکاشفہ کچھ زیادہ صاف نہ تھا اور کئی پیشگوئیاں ان کی بسبب غلط فہمی کے پوری نہیں ہوسکیں۔ (ایضاً)

اور اعجاز احمدیؐ کے صفحہ 14 پر لکھتے ہیں:

''ہائے کس کے آگے یہ ماتم لے جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشگوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں اور آج کون زمین پر ہے جو اس عقدہ کو حل کر سکے''۔

پھر ازالہ اوہام۔روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 263 پر فرماتے ہیں:

''یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر اور اُن میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا۔نہیں بلکہ صرف عمل الترب تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہوگیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مسیح ایسے کام کے لئے اس تالاب کی مٹی لاتا تھا جس میں روح القدس کی تاثیر رکھی گئی تھی۔ بہرحال یہ معجزہ صرف ایک کھیل کی قسم میں سے تھا اور وہ مٹی درحقیقت ایک مٹی ہی رہتی تھی۔ جیسے سامری کا گوسالہ''۔

ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 6 پر فرماتے ہیں:

''عیسیٰ پر تین بار شیطانی الہام ہوا۔ اسی وجہ سے وہ وجود باری کا قطعی منکر تھا''۔

اور سُنیے مرزا صاحب نورالقرآن نمبر 2 صفحہ 46،47 پر فرماتے ہیں:

’’آپ کے یسوع صاحب کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کب تک ان کے حال پر روئیں۔کیا یہ مناسب تھا کہ وہ ایک زانیہ عورت کو موقع دیتا کہ وہ عین جوانی اور حسن کی حالت میں ننگے سر اس سے مل کی بیٹھتی اور نازو نخرہ سے اس کے پاؤں پر اپنے بال ملتی۔اور حرامکاری کے عطر سے اس کے سر پر مالش کرتی۔اگر یسوع کا دل بدخیالی سے پاک ہوتا تو وہ ایک کسبی عورت کو نزدیک آنے سے ضرور منع کرتا۔مگر ایسے لوگ جن کو حرام کار عورتوں کے چھونے سے مزا آتا ہے وہ ایسے موقع پر کسی ناصح کی نصیحت بھی نہیں سُنا کرتے۔دیکھو یسوع کو ایک غیرت مند بزرگ نے نصیحت کے ارادہ سے روکنا چاہا۔ مگر یسوع صاحب نے اس کے چہرہ کی ترشروئی سے سمجھ لیا کہ میری اس حرکت سے یہ شخص بیزار ہے۔ تو رندوں کی طرح اعتراض کو ٹال دیا۔اور دعویٰ کیا کہ یہ کنجری اخلاص مند ہے۔سبحان اللہ یہ کیا عمدہ جواب ہے۔یسوع صاحب ایک زنا کار عورت کی تعریف کر دیتے ہیں کہ بڑی نیک بخت ہے۔دعویٰ خدائی کا اور کام یہ! بھلا جو شخص ہر وقت شراب سے سرمست رہتا ہے اور کنجریوں سے میل جول رکھتا ہے اور کھانے میں بھی اوّل نمبر کا جو لوگوں میں اس کا نام ہی پڑ گیا ہے۔کہ یہ کھاؤ پیئو ہے۔اس سے کسی تقویٰ اور نیک بختی کی امید ہوسکتی ہے؟ کون عقلمند اور پرہیز گار ایسے شخص کو پاک باطن سمجھے گا جو جوان عورتوں کو چھونے سے پرہیز نہیں کرتا؟ ایک کنجری خوبصورت ایسی قریب بیٹھی ہے گویا بغل میں ہے۔کبھی ہاتھ لمبا کر کے سر پر عطر مل رہی ہے اور کبھی پیروں کو پکڑتی ہے۔اور کبھی اپنے خوشنما اور سیاہ بالوں کو پیروں پر رکھ دیتی ہے اور گود میں تماشا کر رہی ہے اور یسوع صاحب اس حالت میں وجد میں بیٹھے ہیں اور کوئی اعتراض کرنے لگے تو اسے جھڑک دیتے ہیں۔اور طُرفہ یہ کہ عمر جوان اور شراب پینے کی عادت اور پھر مجرد۔اور ایک خوبصورت کسبی عورت سامنے پڑی جسم کے ساتھ جسم لگا رہی ہے۔کم بخت زانیہ کے چھونے سے نازو ادا کرنے سے کیا کچھ نفسانی جذبات پیدا ہوتے ہوں گے۔ اور شہوت کے جوش نے پورے طور پر کام کیا ہو گا‘‘۔

اسی طرح مکتوبات احمدیہ جلد 3 صفحہ 21 تا 24 پر لکھا ہے۔:

''مسیح کا چال چلن ہی کیا تھا۔ ایک کھاؤ، پیئو، شرابی۔ نہ زاہد نہ عابد، نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بین، خدائی کا دعویٰ کرنے والا''۔

اب دیکھو کس طرح پر حضرت مسیح علیہ السلام کی ہتک کی گئی ہے اور ان کی پیشگوئیوں کو جھوٹا قرار دیا گیا ہے۔

حمیداللہ: بھئی مجھے تو اس حوالہ شماری کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ خلیل احمد صاحب ان تمام حوالوں کا یکجائی طور جواب دے چکے ہیں۔

خلیل احمد: معلوم ہوتا ہے کہ محمد انور صاحب نے غور نہیں کیا۔ ورنہ میرے پہلے جواب کے بعد وہ یہ حوالے پیش کرنے کی ضرورت نہ سمجھتے۔ کیونکہ ان سب کا جواب اوپر گذر چکا ہے۔

مَیں بتا چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے فرضی مسیح کے متعلق ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں۔ جن کا ذکر قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ کیونکہ عیسائیوں نے مسیح کا جو نقشہ اور جو تصویر پیش کی ہے وہ صرف خیالی ہے اور قرآنِ مجید کے بیان کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ہماری یہ رائے عیسائیوں کے اس یسوع اور فرضی مسیح کے متعلق ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور دیگر انبیاء کو بُرا بھلا کہا۔ ورنہ حضرت مسیح کی ہمارے نزدیک وہی عزت اور قدر ہے جو قرآنِ مجید نے بیان فرمائی ہے۔ اس مفہوم کے متعدد حوالے اس سے پہلے مَیں پیش کر چکا ہوں۔ مگر نہ معلوم آپ کی سمجھ پر کیوں پتھر پڑ گئے ہیں کہ باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے اس واضح بات کو ذہن نشین نہیں کر سکے۔

پہلے پیش کردہ حوالہ جات کے علاوہ اب مَیں اور حوالے پیش کرتا ہوں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا کیا عقیدہ ہے۔ اس کے بعد ان حوالہ جات کی حقیقت کھولوں گا۔ جن کو پیش کر کے آپ نے توہین کا الزام باندھا ہے:

1۔ ''ہمارا ایمان ہے کہ وہ (مسیح علیہ السلام) سچے نبی ضرور تھے۔ خدا تعالیٰ کے پیارے تھے مگر خدا نہیں تھے''۔ (حجۃ الاسلام صفحہ 31، مطبوعہ 1893ء)

2۔ ''حضرت مسیح اپنے اقوال کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ سے اپنے تئیں عاجز ہی ٹھہراتے ہیں اور خدائی کی کوئی صفت ان میں نہیں۔ ایک عاجز انسان ہیں۔ ہاں نبی اللہ بے شک ہیں۔ خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں''۔ (جنگ مقدس صفحہ 50، مطبوعہ 1893ء)

3۔ ''غرض جس ابن مریم کی قرآنِ شریف نے ہم کو خبر دی ہے۔ وہ اسی ازلی ابدی ہدایت کا پابند تھا۔ جو ابتداء سے بنی آدم کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ لہٰذا ان کی نبوت کے لئے قرآن کافی ثبوت ہے۔ گو انجیل کی رُو سے کتنے ہی شکوک و شبہات ان کی نبوت کے بارہ میں پیدا ہوں''۔
(نور القرآن نمبر 1، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 372-371)

4۔ ''ہم قرآنِ کریم کی الہامی گواہی سے مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم ایک صالح آدمی اور پیغمبر تھا اور اس نے کبھی خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور آنے والے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو ایمان تھا اور وہ صاحب معجزات تھا''۔ (ماخوذ مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 216)

5۔ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے شک خدا کا ایک پیارا نبی تھا۔ نہایت اعلیٰ درجہ کی صفات اپنے اندر رکھتا تھا۔ نیک تھا۔ برگزیدہ تھا۔ خدا سے ملا ہوا تھا۔ لیکن خدا نہیں تھا''۔
(مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 256)

6۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے مقدس۔ بڑے راستباز۔ بڑے برگزیدہ تھے۔
(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 369)

7۔ ''یہ احسان قرآن پاک کا ان (مسیح علیہ السلام) پر ہے کہ ان کو بھی نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا ہے۔ اسی وجہ سے ہم ان پر ایمان لائے کہ وہ سچے نبی ہیں۔ اور برگزیدہ ہیں اور ان تہمتوں سے معصوم ہیں۔ جو ان پر اور ان کی ماں پر لگائی گئی ہیں''۔ (اعجاز احمدی، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 120)

8۔ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں۔ وہ صرف ایک نبی ہیں۔ ایک ذرہ اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور بخدا مَیں وہ سچی محبّت اس سے رکھتا ہوں جو تمہیں ہرگز نہیں ہے۔ اور جس نور کے ساتھ مَیں اسے شناخت کرتا ہوں۔ تم ہرگز اسے شناخت نہیں کر سکتے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ خدا کا پیارا اور برگزیدہ نبی تھا۔ اور ان میں سے تھا۔ جن پر خدا کا ایک خاص فضل ہوتا ہے۔ اور جو خدا کے ہاتھ سے پاک کئے جاتے ہیں''۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 617)

اب ان حوالہ جات اور اس سے پہلے حوالہ جات کو دیکھ کر کون انسان ہے جو یہ کہہ سکے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ہتک کی گئی ہے۔ حضورؑ نے تشریح فرما دی ہے کہ وہ مسیح جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے اس کو ہم خدا کا نبی۔ برگزیدہ۔ خدا کا پیارا۔ اعلیٰ درجہ کی صفات اپنے اندر رکھنے والا یقین کرتے ہیں۔ اور قرآنِ مجید کا حضرت مسیح پر یہ احسان ہے کہ اس نے آپ کو نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا اور تصدیق کر دی۔ ورنہ اگر انجیل پر انحصار کیا جائے تو اسی مسیح کو انجیل نے ایسے رنگ میں پیش کیا ہے اور اس کی ایسی خیالی تصویر بنائی ہے جو قابل قبول نہیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر حضورؑ نے عیسائیوں کے اپنے مسلمات سے ہی وہ باتیں پیش کی ہیں۔ جن کو آج مسٹر انور صاحب توہین کی وجہ قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ حضورؑ نے بار بار وضاحت فرما دی ہے کہ یہ الفاظ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق نہیں جو خدا کے پیغمبر اور صاحب معجزات تھے۔ بلکہ عیسائیوں کے فرضی مسیح کا نقشہ ہے۔

انور: تو کیا سچ مچ یہ باتیں عیسائیوں کے ہاں مسلم ہیں؟

خلیل احمد: کیوں نہیں۔ یہ تمام باتیں عیسائیوں کی اپنی کتب میں موجود ہیں اور عیسائی ان کو مانتے ہیں۔ اور انہی مسلمات کو پیش کر کے الزام خصم کے طور پر عیسائیوں پر حجّت قائم کی گئی ہے یہ عجیب لطیفہ ہے کہ جن کے متعلق یہ باتیں لکھی گئی ہیں وہ ان سب باتوں کو مانتے ہیں۔ مگر آپ نے اور آپ کے ''داستانِ مرزا'' کے مؤلف نے مفت کی وکالت شروع کر دی۔

حمیداللہ: ہاں۔ ہاں۔ مَیں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اگر یہ باتیں تمام عیسائیوں کی کتب میں موجود ہوں یا وہ ان باتوں کو تسلیم کرتے ہوں تو یقیناً جناب مرزا صاحب نے حضرت مسیح کی ہتک نہیں کی۔

خلیل احمد: لیجئے مَیں وہ تمام حوالے آپ کو سنائے دیتا ہوں جن سے ان الزامات کی تردید ہو جائے گی۔ کیونکہ عیسائیوں نے خود ان باتوں کو مانا ہے اور انہی کے مسلمات کو ان پر دلیل قائم کرنے کے لئے الزامِ خصم کے طور پر حضور نے پیش فرمایا ہے۔ سُنیئے!

1۔ متی باب 12۔ آیت 19 میں لکھا ہے:

''ابن آدم کھاتا پیتا آیا اور وَے کہتے ہیں کہ دیکھو ایک کھاؤ اور شرابی اور محصول لینے والوں اور گنہگار کا یار''۔

انور: یہ حوالہ آپ کے مطلب کا ہرگز نہیں۔ اس میں تو لوگوں کے اعتراض کا ذکر ہے۔ نہ کہ اصل واقعہ کا۔

خلیل احمد: آپ جلد بازی سے کام نہ لیں۔ پہلے بات تو سُن لیں۔

حمیداللہ: ہاں انور، خلیل صاحب کو اپنی بات پوری کر لینے دیں۔

خلیل احمد: مَیں نے متی کا جو حوالہ پیش کیا ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے پادری عمادالدین صاحب عیسائیوں کے مشہور مشنری نے لکھا ہے:

1۔ ''اس کو (مسیح کو) انہوں نے شرابی کہا۔ کیونکہ مسیح نے شراب بھی پیا ہے۔ کیونکہ اس ملک کا دستور تھا''۔ (دیکھو تفسیر انجیل متی خزانۃ الاسرار مصنفہ پادری صاحب مذکور صفحہ 187۔ مطبوعہ 1875ء)

پھر اسی عبارت سے آگے لکھتے ہیں:

''سب پیغمبروں نے شراب پی ہے اور عیسائیوں کو بھی شراب پینا منع نہیں ہے''۔

(خزانۃ الاسرار صفحہ 187)

2۔ پھر پادریوں کے مشہور انگریزی اخبار اپی فنی کلکتہ کے 27 اپریل 1901ء کے پرچہ میں لکھا ہے۔جس کا ترجمہ یہ ہے:

''مسیح گوشت بھی کھاتا اور شراب بھی پیتا تھا''۔

3۔اسی طرح انجیل یوحنّا باب 2۔ آیت 1 تا 11 میں ایک شادی کے موقع پر مسیح کے شراب بنانے کا ذکر ہے۔

حمیداللہ: اب سنایئے انور صاحب جب عیسائی خود اس بات کو مانتے ہیں کہ ان کے مسیح شراب پیا کرتے تھے تو مرزا صاحب پر صرف الزامی رنگ میں ایسا لکھ دینے سے کس طرح الزام دیا جا سکتا ہے۔

انور: ایک بات اگر عیسائیوں کی ایسی پیش کر دی تو کیا ہوا۔ باقی باتیں بھی اگر انہی کے اقوال سے ثابت کریں، تب ہے۔

خلیل احمد: بہت اچھا لیجئے۔ آپ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مسیح کی تین دادیوں اور نانیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بدکار کہا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عقیدہ حضورؑ کا ہرگز نہیں۔ بلکہ انجیل کے حوالہ سے ایسا لکھا گیا ہے اور عیسائی اس کو مانتے ہیں۔

یہ دیکھو۔انجیل متی کے شروع میں مسیح کا جو نسب نامہ بیان کیا گیا ہے۔

اس میں ثمر، راحاب اور بنت سبع تین عورتیں بھی ہیں۔ثمر کے متعلق پیدائش باب 38۔ آیت 16-19 میں ذکر ہے کہ وہ بدکار تھی۔

اسی طرح راحاب کے متعلق یشوع باب 2 آیت 1 میں ذکر ہے کہ وہ فاحشہ تھی اور بنت سبع کے متعلق بھی لکھا ہے کہ اس نے نعوذ باللہ داؤد سے زناء کیا۔ دیکھو سموئیل 2 باب 11 آیت 2 تا 5۔

2۔ پادری عمادالدین صاحب اپنی کتاب انجیل متی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ان آیات میں چار عورتوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ جن میں سے دو ضرور غیر قوم سے تھیں۔ یعنی راحاب وروت۔ لیکن ثمر میں شُبہ ہے کہ یہودی عورت تھی یا غیر قوم سے۔ پھر بنت سبع تھی۔ ان چار میں سے تین گنہگار ہیں۔ جن پر زناء کا داغ لگا ہوا ہے۔ راحاب تو کسبی تھی''۔ (یشوع 2-1)

اور ثمر بھی حرام کار تھی (پیدائش باب 38۔ آیت 30-16)

''بنت سبع بھی بدکار تھی۔ اس نے داؤد سے زنا کیا۔ (سموئیل 2۔ باب 2 آیت 3) یہاں سے ظاہر ہے کہ مسیح خداوند نے گنہگاروں کے سلسلہ میں آنے سے نفرت نہیں کی''۔ (خزائنۃ الاسرار صفحہ 7 زیر آیت 3 یا 6 متی)

حمیداللہ: بتایئے انور صاحب اب آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ اب تو آپ کو یقیناً خاموش ہونا پڑے گا۔

انور: ہاں ان حوالوں کو دیکھنے کے بعد مرزا صاحب پر یہ الزام نہیں دیا جاسکتا کہ انہوں نے مسیح کے متعلق شرابی لکھا۔ اور ان کی دادیوں اور نانیوں کو بدکار بتایا۔ کیونکہ یہ باتیں عیسائیوں نے خود پیش کی ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے مسیح کے فاحشہ عورتوں سے ملنے۔ ان سے عطر ملوانے اور اس قسم کی باتوں کے متعلق لکھا ہے۔ اس کا آپ نے کوئی ثبوت نہیں دیا۔

خلیل احمد: آپ کو یاد ہوگا۔ آپ نے الحکم 24 جولائی 1902ء کے صفحہ 16 کا حوالہ دیا تھا۔

انور: ہاں۔ مجھے یاد ہے یہ دیکھئے وہ حوالہ اس کتاب ''داستانِ مرزا'' کے صفحہ 16 پر درج ہے۔

خلیل احمد: تو میں بھی آپ کو الحکم کے اسی مضمون میں سے جو کئی پرچوں میں ''تثلیث اور توحید'' کے عنوان سے شائع ہوتا رہا ہے۔ اور جس میں سے آپ نے حوالہ دیا تھا۔ چند ایک عبارتیں پڑھ کر سناتا ہوں۔ جن سے یہ تمام باتیں حل ہوجائیں گی اور ان شاءاللہ آپ کے تمام شبہات دور ہو کر آپ کا سینہ روشن ہوجائے گا۔

حمیداللہ: ضرور سُنایئے۔ مجھے تو آپ کی باتیں سُننے کا بے حد شوق پیدا ہوگیا ہے۔ خدا جانے آپ لوگوں کی باتوں میں کیا اثر ہے کہ بے اختیار طبیعت مائل ہوتی چلی جاتی ہے۔

خلیل احمد: صداقت کی مقناطیسی قوت ہر ایک سعید کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور وہ اس کی روحانیت پر فریفتہ ہونے کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اب میں وہ عبارتیں آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ یہ دیکھئے اخبار الحکم 17 جولائی 1902ء صفحہ 15 کے کالم نمبر 2 پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''کاش پادری صاحبان خدا کے پاک نبیوں پر نکتہ چینی نہ کرتے اور توہین اور تحقیر اور عیب گیری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کا دل نہ دُکھاتے تا مسلمان بھی یہودیوں کی کتابوں کی مدد سے اور خود انجیلوں میں سے بھی حضرت مسیح کے عیبوں کی تفتیش نہ کرتے۔ یہ گناہ دَرحقیقت پادری صاحبان کی گردن پر ہے کہ وہ تمام مقدّس اور راستبازوں کی عیب گیری پر کمر بستہ ہوگئے۔ اور طرح طرح کی بے جا تاویلوں بلکہ افتراؤں سے چاہا کہ خوانخواہ خداتعالیٰ کے پاک نبیوں کو گنہگار ٹھہراویں۔ اس لئے خدا نے حضرت مسیح کو بھی نکتہ چینیوں سے محفوظ نہ رکھا''۔

حمید اللہ: بے شک اسی وجہ سے مجبور ہو کر مرزا صاحب نے عیسائیوں کو الزامی جواب دیا ہے۔

خلیل احمد: پھر حضورؑ الزامی رنگ میں عیسائیوں کو جواب دینے کی وجہ بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اور اگر دشمن کی نکتہ چینی اور عیب گیری سے کوئی نبی خدا کا مجرم بن سکتا ہے تو جیسا کہ یہودیوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایسی نکتہ چینیوں کے انبار دَر انبار حضرت مسیح کی زندگی میں بھی موجود ہیں''۔ (اخبار الحکم 17 جولائی 1902ء صفحہ 15 کالم نمبر 2)

پس حضور حضرت مسیح پر الزام نہیں دیتے۔ بلکہ عیسائیوں کو توجہ دلا رہے ہیں کہ اگر تم مقدس انبیاء پر نکتہ چینی کرتے اور عیب گیری سے ان کو بُرا کہتے ہو۔ تو ذرا اپنے مسیح کے حالات جو تمہاری انجیل نے بیان کئے ہیں اور یہودیوں کے اعتراضات بھی ملاحظہ کرلو۔ اور پھر خود ہی بتاؤ کہ کیا ایسی صورت میں مسیح خدا تو درکنار مومن کہلانے کے بھی مستحق ہو سکتے ہیں؟

انور: آپ اصل مقصد کی طرف آئیں اور حضرت مسیح کی فاحشہ عورتوں سے ملنے وغیرہ کا ثبوت دیں۔

خلیل احمد: سُنیے حضور فرماتے ہیں:

’’لیکن جب مَیں دیکھتا ہوں۔ کہ شریر دشمنوں نے انہی واقعات کو مدّنظر رکھ کر مسیح پر یہ الزام لگائے ہیں۔ کہ کیوں اس نے مریم نام ایک کنچنی عورت کو یہ موقع دیا کہ اس نے اس کو چھوا۔ اور اس کے سر پر ہاتھوں سے تیل ملا۔ اور پیروں کو اپنے بالوں سے پونچھا۔ اور کیوں اس نے ایک دوسری عورت کو جو فاحشہ کر کے مشہور تھی۔ جس کا نام بھی مریم تھا ہمیشہ اپنے پاس رہنے دیا۔ تو مجھے خیال آتا ہے کہ کاش ایسے معجزے سے مسیح اپنے تئیں بچاتا تو اچھا ہوتا۔ مسیح کا یہ فرض تھا کہ ایسی عورتوں کو جو حرامکاریوں میں شہرت پاچکی تھیں اپنے پاس سے دفعہ کر کے حواریوں میں ایک نیک نمونہ قائم کرتا۔

اب دشمنوں کا یہی اعتراض ہے کہ اس نے اس فرض کو ادا کرنے میں اس وجہ سے کمزوری دکھلائی۔ کہ وہ شراب کا عادی۔ اور نعوذ باللہ شہوت انگیز جذبات میں گرفتار تھا۔ ایسا اعتراض کرنے والے صرف یہودی ہی نہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو عیسائی قوم میں سے ہیں۔ اور نہایت بے قیدی سے ایسے اعتراض مسیح کے چال چلن پر کر کے پھر ان رسالوں کو نہ صرف لنڈن کے بازاروں میں تقسیم کرتے بلکہ ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں شائع کرتے ہیں‘‘۔ (الحکم 24۔ جولائی 1902ء صفحہ 13 کالم 1،2)

پھر اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’ایسا ہی یہودی آج تک یہ بھی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کا ایک یہ بھی تورات کی رُو سے گناہ تھا کہ اس نے ماں کی بے عزتی کی۔ دیکھو متی 47-12 وہ یہ بھی الزام رکھتے ہیں کہ عمداً ایک بے گناہ کی نقصان رسانی کا مرتکب بھی ہوا۔ دیکھو متی 13-5۔

ان کا یہ بھی اعتراض ہے کہ اس وجہ سے بھی تورات اس کو گنہگار ٹھہراتی ہے کہ اس نے اپنے شاگردوں کو حرام کا مال کھانے سے منع نہ کیا۔ دیکھو متی 11-1 وہ بڑے دعویٰ اور اصرار سے اس

لئے بھی اس کو مجرم ٹھہراتے ہیں کہ اس نے ایک بدکار اور فاحشہ عورت کو موقع دیا کہ اس کے بعض اعضاء سے اپنے اعضاء چھوئے اور اپنے مال حرام کا عطر اس کے سر پر ملے۔ دیکھو لوقا 38-7/37

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تورات کی رُو سے نہایت سخت اور قابلِ نفرت اس سے یہ بھی گناہ ہوا۔ کہ اس نے خدا کی تحقیر کی اور اپنے تئیں اس کے برابر ٹھہرا کر اس کے نام کو بے عزت کیا۔ پس وہ اس حرکت سے نہ صرف گنہگار بلکہ کافر اور واجب القتل ہوگیا۔ دیکھو یوحنّا 18-5۔

ان کا یہ بھی اعتراض ہے کہ مریم مگدلینی ایک عورت فاحشہ تھی۔ کیوں یسوع نے اس کو اخیر تک اپنے پاس رکھا اور اپنے تئیں اس کی صحبت سے نہ بچایا۔

وہ لوگ اس کے گنہگار ہونے کا یہ بھی موجب ٹھہراتے ہیں کہ ان کا قول ہے کہ ایک مرتبہ یسوع کسی بیگانہ عورت پر عاشق ہوگیا تھا۔ اور قوم اسرائیل میں اس گناہ کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ ایک بزرگ نے جو مسیح کا استاد بھی تھا اس سے یہ حرکت دیکھ کر اور سخت ناراض ہوکر ہمیشہ سے اس کو اپنے سے علیحدہ کر دیا۔ (دیکھو کتاب سیفر ٹولڈتھ جیشو)

یہودی لوگ اپنی شرارت اور خباثت سے یہ بھی الزام پیش کرتے ہیں۔ کہ یسوع مسیح کی ماں پاکدامن نہیں تھی۔ یعنی حضرت مسیح کی پیدائش نعوذباللہ ناجائز ہے۔ (الحکم 24 جولائی 1902ء صفحہ 14)

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام نے عیسائیوں کو توجہ دلائی ہے کہ تم دوسرے سے مقدس انبیاء پر نکتہ چینی کر کے ان کو مجرم ٹھہراتے ہو۔ مگر اپنے گھر کی تمہیں فکر نہیں۔ کیونکہ تمہارے مسیح پر یہودیوں کی طرف سے ایسے ایسے خطرناک الزام وارد کئے گئے ہیں جو تمہاری کتب سے ثابت ہیں۔ اور جن کا تمہارے پاس کوئی جواب نہیں۔ چنانچہ ان ساری باتوں کو اسی رنگ میں پیش کیا گیا ہے کہ یہودیوں کا یہ اعتراض ہے۔ دشمن یہ اعتراض کرتے ہیں۔ ان کا یہ بھی الزام ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس حوالہ میں نعوذباللہ کے الفاظ اس امر کی بیّن دلیل ہیں کہ یہ اعتراضات صرف الزامی رنگ میں ہیں۔

ورنہ حقیقۃً ہم حضرت مسیح اور ان کی والدہ کی عزّت وتکریم کرتے اور ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ مجید سے ظاہر ہے[1]۔

حمید اللہ: سچ پوچھو تو مَیں اس بات کو تسلیم کر چکا ہوں کہ جناب مرزا صاحب نے عیسائیوں کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے یہ طریق مجبوراً اختیار کیا ہے اور آپ اس میں بالکل حق بجانب تھے۔

انور: بہت خوب۔ آپ نے تو ابھی سے دم توڑ دیا۔ ابھی تو اور بہت سے اعتراضات باقی ہیں۔ جن کے جوابات خلیل احمد صاحب نے نہیں دیئے۔ مثلاً ریویو اپریل 1913ء کے صفحہ 149 کا حوالہ کہ ''اگر مَیں ذیابیطس کے لئے افیون کھانے کی عادت کرلوں تو مَیں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا اور دوسرا افیونی''۔

خلیل احمد: آپ نے یہ حوالہ غلط پیش کیا ہے اور اس سے پہلے بھی آپ غلط حوالے پیش کر چکے ہیں۔ مگر مَیں ان پر بعد میں جرح کروں گا۔ یہ حوالہ اپریل 1913ء کا نہیں بلکہ 1903ء کا ہے۔

اب اس کا جواب بھی سن لیں۔ کیا آپ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اس جگہ پر حضور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بلکہ دوسرے لوگوں کے اعتراض کا ذکر فرما رہے ہیں۔ کہ لوگ ٹھٹھا کرتے ہوئے یہ نہ کہیں ....

1۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صرف عیسائیوں کا منہ بند کرنے کے لئے ان الزامات کو دہرایا ہے۔ جو انہی کی کتب کے حوالہ سے مخالف پیش کرتے ہیں۔ ورنہ آپؑ نے یہودیوں کے ان الزامات کی تردید کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کو ان سے برّی قرار دیا ہے۔ بطور نمونہ ذیل کا حوالہ درج کیا جاتا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں: ''یہ وہ اعتراض ہیں جو یہودیوں کی کتابوں میں لکھے ہیں جن میں سے بعض میرے پاس موجود ہیں۔ پس خدا تعالیٰ اِس آیت میں وعدہ فرماتا ہے کہ ان تمام الزامات سے میں تجھے بری کروں گا۔ ایسا ہی عیسائیوں نے بھی حضرت مسیح پر جھوٹے الزام لگائے تھے کہ گویا نعوذ باللہ اُنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو اطلاع دی تھی کہ ایسے ایسے ناپاک الزام تیرے پر لگائے جائیں گے اور ساتھ ہی وعدہ دیا تھا کہ میں تیرے بعد ایک نبی آخر الزمان بھیجوں گا اور اُس کے ذریعہ سے یہ تمام اعتراضات تیری ذات پر سے دفع کروں گا اور وہ تیری سچائی کی گواہی دے گا اور لوگوں پر ظاہر کرے گا کہ تو سچا رسول تھا سو ایسا ہی وقوع میں آیا یعنی جب ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دنیا میں آئے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے تو آپ نے حضرت مسیح کا دامن ہر ایک الزام سے پاک کر کے دکھلایا''۔

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 455-454)

حمیداللہ: بے شک اس میں مرزا صاحب نے اپنا اعتقاد بیان نہیں کیا۔ بلکہ لوگوں کے اعتراض کرنے کا ذکر کیا ہے۔

محمد انور: اور یہ کہتے ہیں حوالہ غلط ہے۔ دیکھو اس کتاب (داستانِ مرزا) کے صفحہ 19 پر اپریل 1913ء کا حوالہ دیا ہے۔

خلیل احمد: یہی تو مَیں کہتا ہوں کہ معلوم ہوتا ہے اس کتاب کے لکھنے والے نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی شکل بھی نہیں دیکھی بلکہ اپنے بزرگوں کے پس خوردہ پر اکتفاء کیا ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حوالے غلط دیئے ہیں۔ جن کا میں ابھی ذکر کروں گا۔ چنانچہ یہ حوالہ اپریل 1903ء کا ہے۔

حمیداللہ: چونکہ کافی وقت گذر چکا ہے اور آج ہاکی کا میچ بھی ہے اس لئے میرے خیال میں یہ گفتگو کل پر ملتوی کی جائے۔ کل اتوار ہے۔ سارا دن اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر یہ تمام مسائل حل کریں گے۔

افضل: مَیں بھی یہ کہنے والا تھا کہ آج دیر ہو چکی ہے۔ اس بحث کو کل پر چھوڑا جائے۔

خلیل احمد: مگر کل تو ہمارا تحریک جدید کا جلسہ ہے۔ اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا حکم ہے کہ اس میں ہر ایک احمدی ضرور شامل ہو۔ اس لئے میرا وہاں جانا ضروری ہے۔

افضل: آپ کب تک وہاں رہیں گے؟

خلیل احمد: یہی دو تین گھنٹے۔ صبح آٹھ بجے سے لے کر 11 بجے تک۔

افضل: تو پھر کیا ہے۔ 12 بجے کے بعد یہ پروگرام رکھا جاسکتا ہے۔

خلیل احمد: میں ان شاءاللہ بارہ بجے ضرور پہنچ جاؤں گا۔

حمیداللہ: یہ تحریک جدید کا جلسہ کیا ہوتا ہے؟ یہ نام تو ہم نے آج ہی سُنا ہے۔

خلیل احمد: حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک سکیم جماعت کے سامنے پیش کی ہے۔ جو آپ کے ذہن میں خداتعالیٰ کی طرف سے القاء کی گئی ہے۔ اور حضور کا حکم ہے کہ اس پر تمام احمدی عمل کریں۔ کیونکہ جماعت کی ترقی کے لئے یہ نہایت ضروری چیز ہے۔

حمیداللہ: وہ سکیم کیا ہے؟

خلیل احمد: یہ کہ تمام احمدی ایک کھانا استعمال کریں۔ سادہ لباس پہنیں۔ سینما۔ تھیٹر اور دیگر کھیل تماشوں سے پرہیز کریں۔ اور جس طرح ہو سکے کفایت کر کے دین کے لئے روپیہ دیں۔ بے کار نوجوان بیرونی ممالک میں چلے جائیں اور وہاں جاکر روزگار کے علاوہ تبلیغ کا فرض ادا کریں۔ نیز معزز احمدی عہدیدار رخصتوں وغیرہ کے موقع پر دوسرے شہروں میں جاکر تبلیغ کریں۔ شادی بیاہ کے موقع پر فضول رسم ورواج اور غیرضروری اخراجات سے کنارہ کشی کی جائے، وغیرہ۔

حمیداللہ: یہ سکیم تو نہایت اعلیٰ اور آپ کی جماعت کو ترقی کی طرف لے جانے والی ہے۔ کاش مسلمان اس راز کو سمجھتے اور وہ بھی اس قسم کی باتوں پر کان دھرتے تو آج اس ادبار و نکبت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

افضل: آج معلوم ہوا کہ آپ اسی وجہ سے ہمارے ساتھ سینما نہیں جایا کرتے تھے۔

خلیل احمد: چونکہ ہمارے مقدس امام کا یہی حکم ہے۔ اس لئے اس پر ہم دل وجان سے عمل کرتے ہیں۔ مَیں ہر مہینہ میں یہ حساب کر کے کہ آپ کتنی دفعہ سینما گئے اور اس پر کتنا خرچ ہوا۔ اپنے خرچ میں سے وہ رقم نکال کر چندہ میں دے دیا کرتا ہوں۔ چنانچہ رخصتوں سے قبل آپ ایک مہینہ کے اندر پانچ دفعہ سینما گئے اور آپ میں سے ہر ایک کے اڑھائی روپے خرچ ہوئے۔ میں نے اتنی ہی رقم تحریک جدید کے چندہ میں دیدی۔ یہ دیکھو میرے پاس اس اڑھائی روپے کی رسید ہے۔ جو میں نے قادیان بھجوائے تھے۔ اس طرح جو وقت آپ تاش کھیلنے میں ضائع کرتے ہیں۔ مَیں اس وقت اپنی مذہبی کتب کا مطالعہ کرتا ہوں۔

حمید اللہ: واقعی آپ لوگوں کے اندر قربانی کی بے نظیر روح پائی جاتی ہے جو کسی اور قوم میں موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ایک قلیل اور غریب لوگوں پر مشتمل جماعت ہونے کے آپ نے تمام دنیا میں تبلیغ کے مراکز قائم کر رکھے ہیں۔ اور وہ کام کیا ہے؟ جو آج کے مسلمان باوجود کئی کروڑ ہونے کے نہیں کر سکے۔

انور: ان باتوں کو چھوڑیے، کھیل کا وقت ہو گیا۔

تیسرا باب

خلیل احمد تحریک جدید کے جلسہ سے فارغ ہو کر ہوسٹل پہنچا۔اس کے دوست تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔سب نے مل کر کھانا کھایا۔خلیل احمد نے ظہر کی نماز ادا کی اور چاروں دوستوں کے درمیان پھر سلسلہ کلام شروع ہوا۔

حمیداللہ: مسٹر انور آپ نے کل فرمایا تھا کہ ابھی بعض حوالہ جات کے پیش کرنے میں کسر باقی ہے۔آج وہ بھی نکال لیں۔

خلیل احمد: بڑی خوشی سے۔ہمارا تو کام ہی یہی ہے کہ دوسرے کی باتوں کو توجہ سے سُننا اور اپنی سُنانا۔اور پھر ان میں جو صداقت پر مبنی ہوں۔ان کے قبول کرنے کی تلقین کرنا۔

انور: مَیں نے ازالہ اوہام طبع اوّل کے صفحہ 305 کا ایک حوالہ پیش کیا تھا کہ آپ کے مرزا صاحب نے حضرت مسیح کے معجزات کو عمل الترب یعنی مسمریزم کی قسم سے بتایا ہے۔اور لکھا ہے کہ مَیں اس کو مکروہ اور قابلِ نفرت سمجھتا ہوں۔

اسی طرح انجام آتھم صفحہ 6 کے حاشیہ پر بھی مسیح کے معجزات سے انکار کیا ہے۔جیسا کہ پہلے حوالہ پیش کر چکا ہوں۔

پھر ازالہ اوہام کے صفحہ 203 پر مسیح کے مٹی سے پرندے پیدا کرنے کے معجزہ کو مشرکانہ قرار دیا ہے۔اور اعجاز احمدی صفحہ 14 پر اور اسی طرح ازالہ اوہام صفحہ 345 پر لکھا ہے کہ مسیح کی پیشگوئیاں غلط نکلیں۔اور پھر ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 6 پر تو صاف لکھا ہے کہ مسیح پر تین مرتبہ شیطانی الہام ہوا۔اسی طرح ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 9-7 کے حوالوں کا بھی جواب دیں۔

خلیل احمد: اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ جیسا کہ بارہا پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ کہ یہ تمام حال مسیح کی اس فرضی تصویر کا ہے۔ جو انجیل نے پیش کی ہے۔ کیونکہ اگر انجیل پر اکتفا کیا جائے تو مسیح کے معجزات اور پیشگوئیاں ہرگز سچی ثابت نہیں ہوسکتیں۔ اور اسی مضمون کو حضور عیسائیوں کے سامنے پیش کررہے ہیں۔ کہ جب تک تم قرآنِ مجید پر ایمان نہ لاؤ۔ مسیح کا کوئی معجزہ اور کوئی پیشگوئی انجیل کی رُو سے سچی ثابت نہیں ہوسکتی اور آنحضرت ﷺ کا انکار کرکے تم اپنے مسیح کی صداقت ثابت کرنے سے قاصر ہو۔

مثال کے طور پر دیکھو۔ مسیح انجیل متی باب 20 آیت 23 میں کہتے ہیں کہ آسمان کی بادشاہت میں دائیں بائیں بٹھانا میرے اختیار میں نہیں۔ لیکن اس کے برخلاف متی باب 28 آیت 18 اور یوحنا باب 3 آیت 35 میں لکھا ہے کہ سب چیزوں کا اختیار مسیح کو دیا گیا اور یہاں تک کہ پطرس کو بادشاہت کی کنجیاں دینے کا وعدہ کیا۔ (متی باب 16 آیات 20-17)

اور مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو بارہ تختوں کا وارث ٹھہرایا۔ (متی باب 19 آیت 28)

مگر یہ پیشگوئی انجیل کے مطابق غلط نکلی۔ کیونکہ پطرس نے مسیح پر لعنت بھیجی اور اس کے منہ پر تھوکا اور قسم کھاکر انکار کردیا کہ مَیں اس کو نہیں جانتا۔ (متی باب 26 آیت 74)

اسی طرح یہودا اسکریوطی نے جس کو بارہ تختوں میں سے ایک کا وعدہ دیا گیا تھا۔ رشوت لے کر مسیح کو پکڑوا دیا۔ (متی باب26 آیت 14 و 48-47 ومتی باب10 آیت 4)

اسی طرح متی باب 27 آیت 5-3 میں ذکر ہے کہ یہودا اسکریوطی نے مسیح کو پکڑوا دیا اور خودکشی کا مرتکب ہوا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعض بے باک عیسائیوں کو جواب دیتے ہوئے جو آنحضرت ﷺ کے حق میں نہایت بدزبانی کرتے تھے یہ طریق اختیار کیا کہ گو ہمارے نزدیک سب رسول بے گناہ ہیں۔

مگر انجیل کی رُو سے چونکہ مسیح کا گنہگار اور نعوذ باللہ جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے مجبوراً ایسا لکھا گیا تا کہ عیسائیوں کے سامنے آئینہ رکھا جائے۔ چنانچہ دیکھو:

1۔ مسیح نے احبار باب 10 آیت 10-9 کے خلاف شراب کا استعمال کیا۔ (متی باب 11 آیت 19)

2۔ مسیح نے زبور 5/6 کے خلاف جھوٹ بولنے کا حکم دیا۔ (متی باب 16 آیت 20)

3۔ مسیح نے خروج 20/12 کے خلاف اپنی ماں کی حقارت کی۔ (متی باب 12 آیت 48)

4۔ مسیح کے شاگردوں نے چوری کی اور بالیں توڑیں اور مسیح نے ان کی تائید کی۔
(متی باب 12 آیت 1۔ مرقس باب 2 آیت 23)

5۔ مسیح نے لوقا باب 23 آیت 43 میں اس چور سے جھوٹا وعدہ کیا کہ آج تُو میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔ حالانکہ مسیح مرنے کے بعد بہشت میں نہیں گیا۔ بلکہ عیسائیوں کے نزدیک برزخ میں اور بعض کے نزدیک دوزخ میں گیا تھا اور مسیح جی اُٹھنے کے بعد خود اقرار کرتا ہے کہ ابھی وہ باپ کے پاس نہیں گیا۔ (یوحنا باب 20 آیت 17)

اب غور کرو کہ جب انجیل اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے تو اس سے کس طرح مسیح کا صاحب معجزات یا ابن اللہ اور نبی ہونا ثابت ہوسکتا ہے البتہ قرآنِ مجید کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک برگزیدہ نبی اور خدا کے مقربین میں سے تھے۔ اور یہی حضرت مسیح موعودؑ اور تمام جماعت احمدیہ کا ایمان ہے۔ جیسا کہ مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 216 کا حوالہ دے چکا ہوں کہ:

''ہم قرآنِ کریم کی الہامی گواہی سے مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم ایک صالح آدمی اور پیغمبر تھا۔ اس نے کبھی خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور آنے والے رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس کو ایمان تھا اور وہ صاحبِ معجزات تھا''۔

پس ہمارے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام یقیناً صاحب معجزات اور مقدس نبی تھے۔ لیکن انجیل کی رُو سے ایسا ثابت نہیں ہوسکتا۔ وہوالمراد۔

حمیداللہ: واقعی انجیل پر انحصار کرنے سے حضرت مسیح خدا تو دَرکنار ایک معمولی درجہ کے آدمی بھی ثابت نہیں ہو سکتے۔

خلیل احمد: مگر آپ ایسا نہ کہیں۔محمد انور صاحب آپ پر توہینِ مسیح کا فتویٰ جڑ دیں گے۔

محمد انور: خیر آپ میرے حوالہ جات کا نمبروار جواب دیں۔

خلیل احمد: پیشگوئیوں اور معجزات کے متعلق تو مَیں عرض کر چکا ہوں۔کہ انجیل کی رُو سے حضرت مسیح کی پیشگوئیوں اور معجزات کا عجیب حال ہے۔اب میں آپ کے حوالوں کو لیتا ہوں۔

آپ نے ازالہ اوہام طبع اوّل کے صفحہ 305 کا جو حوالہ دیا ہے۔وہ صفحہ 305 پر موجود نہیں۔بلکہ صفحہ 309 پر ہے۔

اسی طرح آپ نے ازالہ اوہام کے صفحہ 345 کا حوالہ دیا ہے۔عجیب بات ہے کہ ازالہ اوہام کے کسی ایڈیشن کے صفحہ 345 پر یہ حوالہ موجود نہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف ''داستانِ مرزا'' نے اندھا دھند جو کچھ سامنے آیا لکھ دیا اور تحقیق کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔دیکھئے یہ حوالہ چھوٹے ایڈیشن کے صفحہ 690 پر اور بڑے ایڈیشن کے صفحہ 281 پر درج ہے۔اور احمدیہ بلڈنگس لاہور والوں کے شائع کردہ ازالہ اوہام کے صفحہ 363 پر درج ہے۔ان حوالوں کو پیش کرنے سے آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح کی پیشگوئیوں اور معجزات سے انکار کیا ہے۔جس کا جواب مَیں مفصّل عرض کر چکا ہوں۔کہ یہ صرف انجیل کے بیان کے مطابق لکھا ہے۔ورنہ حضورؑ نے مسیح علیہ السلام کو صاحب معجزات مانا ہے۔

اب مَیں آپ کے سامنے آپ کے راہنماؤں کی دیانت کے متعلق کچھ عرض کیا چاہتا ہوں۔ان باتوں کو ذرا غور سے سنیں اور اپنے محترم مؤلف ''داستانِ مرزا'' کی بددیانتی اور یہودیانہ تحریف پر آٹھ آٹھ آنسو بہائیں۔

اس میں تو شک نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سب کچھ الزامی رنگ میں لکھا ہے۔ ورنہ وہ حضورؑ کا اپنا اعتقاد نہیں۔ جیسا کہ مدلل طور پر ثابت کر چکا ہوں۔ اب ذرا اپنے گھر کی حالت ملاحظہ فرمالیں۔

آپ نے ایک حوالہ ازالہ اوہام صفحہ 203 سے پیش کیا تھا۔ غالباً آپ کو یاد ہوگا؟

انور: کیوں نہیں! یہ دیکھئے وہ حوالہ اس کتاب (داستانِ مرزا) کے صفحہ 50 پر درج ہے۔

خلیل احمد: آپ ذرا یہ عبارت پڑھ دیں۔

انور: سُنیئے آپ کے مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''یہ اعتقاد کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم مٹی سے چڑیا کی شکل کی چیز بنا کر اس میں اپنے دَم سے روح ڈال دیتا تھا۔ فاسد اور باطل ہے۔ بلکہ یہ مشرکوں کا اعتقاد ہے۔ کیونکہ عیسیٰ کے پاس عمل تراب کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور وہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو دھوکا دیتا تھا۔ وہ اس حوض کی مٹی لایا تھا جس پر روح القدس کا اثر تھا۔ اور اس مٹی کے کرشمے دکھا کر لوگوں کو سامری کی طرح فریب دیتا تھا''۔

خلیل احمد: اس عبارت میں تحریف کرتے ہوئے اس کتاب کے مؤلف نے اپنی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔ سُنیئے اصل عبارت یوں ہے:

''غرض یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا۔ نہیں بلکہ صرف عمل الترب تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہو گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مسیح ایسے کام کے لئے اس تالاب کی مٹی لاتا تھا۔ جس میں روح القدس کی تاثیر رکھی گئی تھی۔ بہر حال یہ معجزہ صرف ایک کھیل کی قسم میں سے تھا اور وہ مٹی دَرحقیقت ایک مٹی ہی رہتی تھی۔ جیسے سامری کا گوسالہ۔ فتدبر۔ فانہ نکتہ جلیلۃ ما یلقّاھا الا ذو حظٍ عظیم''۔

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 263)

حمید اللہ: ان ہر دو عبارتوں میں تو بہت فرق ہے۔

خلیل احمد: دیکھئے! اس عبارت میں کسی جگہ پر بھی فریب اور دھوکا کا لفظ درج نہیں۔ مگر ان کے موٴلف ''داستانِ مرزا'' نے ''لوگوں کو دھوکہ دیتا تھا'' اور ''سامری کی طرح فریب دیتا تھا'' کے الفاظ اپنی طرف سے بڑھا کر یہودیانہ تحریف کا ثبوت دیا ہے۔ **ویل لما یکتبون**

افضل: ہیں! یہ کیا بات ہے؟ کیوں انور صاحب آپ نے دونوں حوالوں کا موازنہ کیا؟

محمد انور: ہاں اصل عبارت میں دھوکہ دینے اور فریب دینے کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی حضرت عیسیٰ کی اس سے تحقیر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس معجزہ کو کھیل قرار دیا گیا ہے۔

خلیل احمد: برایں عقل و دانش بباید گریست۔ تو کیا آپ کے نزدیک سچ مچ حضرت مسیح خالق ہو کر خدا کے شریک تھے۔ حاشا و کلّا ایسا ہرگز نہیں۔

دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس معجزہ کی تحقیر نہیں کی۔ کیونکہ حضورؑ اسی حاشیہ میں عمل الترب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح نے بھی اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکوز تھے۔ باذنِ وحکمِ الٰہی اختیار کیا تھا۔ ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا''۔
(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 258)

اور سُنیے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں[1]:

معجزات انبیاءِ سابقین
آنچہ در قرآن بیانش بالیقین
برہمہ از جان و دل ایمان ماست
ہر کہ انکارے کند از اشقیاست

1 سراج منیر، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 96

یعنی تمام معجزات پر جو قرآنِ مجید میں مذکور ہیں۔ ہمارا دل وجان سے ایمان ہے۔ اور جو کوئی ان کا انکار کرے وہ بدنصیب ہے۔

پھر اس حاشیہ میں حضورؑ نے تشریح فرمادی ہے کہ معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں۔

1۔ ایک وہ جو سماوی امور ہوتے ہیں۔ جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ جیسے شق القمر جو ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا معجزہ تھا اور خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کو دکھایا تھا۔

2۔ دوسرے عقلی معجزات ہیں۔ جو اس خارق عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو الہامِ الٰہی سے ملتی ہے۔ جیسے حضرت سلیمانؑ کا وہ معجزہ جو صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ ہے۔ جس کو دیکھ کر بلقیس کو ایمان نصیب ہوا۔ اب جاننا چاہیے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمانؑ کے معجزہ کی طرح صرف عقلی تھا۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 254)

پھر فرمایا:

''اب یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم باذن و حکم الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترب میں کمال رکھتے تھے''۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل جلد 3 صفحہ 257)

باقی رہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس عمل کو قابل نفرت قرار دینا تو اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے:

''لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے۔ جس پر ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قدم مارا ہے''۔

(ازالہ اوہام حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 258)

اور جیسا کہ مَیں پہلے بتا چکا ہوں۔ حضورؑ نے وضاحت فرمادی ہے۔ کہ خود عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔ مگر زمانہ کے حالات کے مطابق خدا کے حکم سے انہوں نے اس کو اختیار کیا تھا۔ کیونکہ ہر نبی اس زمانے کی حالت کے مناسب معجزہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر کے اس حوالہ سے ظاہر ہے۔

قال کثیر من العلماء: بَعَثَ الله کُلَّ نَبِیٍّ من الأنبیاءِ بمعجزة تناسب أهل زمانه، فکان الغالِبُ علی زمانِ موسی، علیه السلامُ السِّحْر وتعظیم السحرة. فبعثه الله بمعجزة بَهرتِ الأبصار وحیرت کل سحار، فلما استیقنوا أنها من عند العظیم الجبار انقادوا للإسلام، وصاروا من الأبرار۔ وأما عیسی علیه السلام، فبُعِثَ فی زمن الأطباء وأصحاب علم الطبیعة، فجاءهم من الآیات بما لا سبیل لِأحدٍ إلیه، إلا أن یکون مؤیدًا من الذی شرع الشریعة۔

(ابن کثیر جلد 2 صفحہ 227)

یعنی اکثر علماء نے تصریح کی ہے کہ خداتعالیٰ نے ہر نبی کو اس معجزہ کے ساتھ مبعوث کیا جو اس زمانہ کے مناسب حال تھا۔ چونکہ موسیٰؑ کے زمانہ میں جادو کا فتنہ غالب اور ساحروں کی تعظیم عام تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے معجزہ کے ساتھ مبعوث فرمایا جس نے آنکھیں خیرہ کردیں اور سب جادوگروں کو حیران کردیا۔ پس جب انہوں نے یقین کرلیا کہ یہ معجزہ خدا کی طرف سے ہے تو فرمانبرداری کر کے خدا کے نیک بندوں میں سے ہوگئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام طبیبوں اور طبعی علم جاننے والوں کی طرف مبعوث کئے گئے۔ سو آپ بھی ایسے معجزات لائے جن پر بجز تائید یافتہ الٰہی کے اور کوئی قادر نہیں ہوسکتا۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ہر نبی کو اس کے زمانہ کے مناسبِ حال معجزہ دیا جاتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ اطباء اور حکماء کے زمانہ میں مبعوث کئے گئے۔ جبکہ علم طبعیات کا زور تھا۔ اس لئے آپ کو بھی اسی رنگ کا معجزہ عطا کیا گیا۔ جو طبیبوں اور علم طبعی کے ماہروں کو عاجز کردے۔

اسی طرح علامہ سعدالدین تفتازانی نے بھی تصریح کی ہے کہ:

وقد حقَّقَ فی الکتب الکلامیة ان معجزة کل نبی بما یتباهیٰ به قومه بحیث لا یتصور المزید علیه کالسّحر فی زمن موسیٰ علیہ السلام والطب فی زمن عیسی علیہ السلام والبلاغة فی زمن سیّدنا محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (شرح التلویح علی توضیح جلد اوّل صفحہ 54)

یعنی علم کلام کی کتابوں میں یہ امر متحقق ہے کہ ہر نبی کو اس امر کی مناسبت سے معجزہ دیا گیا ہے، جس پر اس کی قوم کو ناز تھا۔ اور اس کیفیت اور کمیّت کے ساتھ دیا گیا جس سے بڑھ کر زیادتی ممکن نہیں تھی۔ جیسا کہ حضرت موسےٰ کے زمانہ میں سحر اور جادو تھا اور حضرت مسیح کے وقت طِبّ اور سیّدنا حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ میں بلاغت۔

پھر تفسیر البحر المحیط جلد 2 صفحہ 467 سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ لکھا ہے۔ ''وکان الغالب علی زمن عیسیٰ الطب۔ فاراھم اللہ المعجزۃ فی جنس علمھم کما اریٰ قوم موسیٰ اذ کان الغالب علیھم السحر المعجزۃ بالعصا والید البیضاء وکما اریٰ العرب اذ کان الغالب علیھم البلاغۃ المعجزۃ بالقراٰن''۔

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طِبّ کا بڑا رواج تھا۔ سو خدا تعالیٰ نے ان کی معلومات کی قسم سے ان کو معجزہ دکھایا۔ جیسے خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ساحروں کے غلبہ کی وجہ سے عصاء اور ید بیضا کا معجزہ دکھایا۔ یا جیسے عرب کو بوجہ فصاحت بلاغت کے غلبہ کے قرآن کا معجزہ دکھایا۔

ایک حوالہ اور سُن لیجئے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اشد ترین اور اوّل المخالفین تھے۔ اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد 7 نمبر 10 صفحہ 289 کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

''خدا تعالیٰ کی قدیم عادت ہے کہ ہر زمانہ میں اس قسم کے معجزات و خوارق منکرین کو دکھاتا ہے جو اس زمانہ کے لیے مناسب ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سِحر کا بڑا زور تھا۔ اس لئے ان کو ایسا معجزہ (لاٹھی کا سانپ بن جانا وغیرہ) جو سحر کا ہم جنس یا ہم صورت تھا۔ اور پھر وہ سحر پر غالب آیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طِبّ کا بڑا چرچا تھا، اس لیے ان کو ایسا معجزہ (اندھے مادرزاد اور کوڑھے کو اچھا کرنا اور مردے کو زندہ کرنا) دیا گیا جس نے طبیبوں کو مغلوب کر دیا''۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو اس زمانے کے مناسب حال بطور خاص مصلحت کے بتانا کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ اکابر اسلام کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ پس جب اکابر علماء اس امر

کی تصریح کر رہے ہیں کہ ہر نبی کو زمانے کے مناسب حال معجزہ دیا جاتا ہے۔تو یہی بات کہہ دینے سے حضرت اقدس پر توہین کا الزام لگانا کس قدر بے باکی ہے۔

پھراور سنو۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام کے اسی حاشیہ پر جس کی عبارت سے اعتراض کیا گیا ہے۔اس معجزہ کی روحانی طور پر بھی تاویل کی ہے۔فرماتے ہیں:

''چونکہ قرآنِ کریم اکثر استعارات سے بھرا ہوا ہے۔اس لئے ان آیات کے روحانی طور پر یہ معنے بھی کرسکتے ہیں کہ مٹی کی چڑیوں سے مراد وہ اُمّی اور نادان لوگ ہیں جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنا رفیق بنایا۔گویا اپنی صحبت میں لے کر پرندوں کی صورت کا خاکہ کھینچا۔پھر ہدایت کی روح ان میں پھونک دی جس سے وہ پرواز کرنے لگے''۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 355)

پس معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا انکار نہیں۔بلکہ دونوں طریقوں سے ان کا اقرار کیا گیا ہے۔اور جب حضرت مسیح نے یہ عمل خدا کے حکم اور اذن سے اختیار کیا تو اس کی تحقیر کیسے ہوسکتی ہے۔البتہ یہ معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بالمقابل یقیناً ایک کھیل تھا۔

جو زمانہ اور حالات کے اقتضاء کے مطابق اختیار کیا گیا۔اس میں مسیح کی تحقیر کا سوال ہی کیسے ہوسکتا ہے۔

حمیداللہ: واقعی جب مسیح علیہ السلام نے اس فعل کو خدا کے حکم سے اختیار کیا تھا تو اس میں ان کی تحقیر نہیں ہوسکتی۔

خلیل احمد: تحریف کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔آپ نے ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 9 کا حوالہ پیش کیا تھا۔وہ بھی ذرا پڑھ کر سنائیں۔

انور: لیجئے ''داستانِ مرزا'' کے صفحہ 40 پر یہ حوالہ درج ہے کہ:

''عیسیٰ جو آوارہ، بداخلاق، متکبر، جھوٹا تھا۔ایک شریف انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے۔چہ جائیکہ اس کو انبیاء میں شمار کیا جائے''۔

خلیل احمد: سُنیے اصل عبارت یوں ہے:

''اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا۔ اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلامانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں''۔ (ضمیمہ انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 293)

دیکھئے اس عبارت میں، آوارہ، بداخلاق اور جھوٹا کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ مگر آپ کے موٴلف ''داستانِ مرزا'' نے کس قدر بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے کہ یہ الفاظ اپنی طرف سے تراش کر عبارت میں داخل کردیئے اور ظاہر یہ کیا ہے کہ گویا یہ عبارت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہے۔

حمید اللہ: یہ تو ہمارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ ہمارے علماء اس درجہ تک اخلاقی کمزوری میں مبتلا ہیں۔

انور: تاہم آپ کے مرزا صاحب نے ناپاک خیال اور متکبر تو ضرور کہا ہے۔

خلیل احمد: ماشاءاللہ کیا آپ کی عقل اتنی موٹی ہے کہ یہ بات بھی ذہن نشین نہیں کر سکتے۔ جب پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ موسیٰ کو ڈاکو اور بٹمار کہا۔ آنے والے مقدّس نبی کا انکار کیا۔ اور دیگر مقدّسین کو بُرا کہا۔ تو آپ کے نزدیک ایسا شخص ناپاک خیال اور متکبر نہیں تو اور کیا ہے۔ گو یہ فرض محال کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ حقیقۃً کوئی ایسا مسیح نہیں گذرا۔ بلکہ یہ سب عیسائیوں کا اختراع ہے۔

حمید اللہ: یہ تو واضح بات ہے آپ آگے چلیں۔

خلیل احمد: انور صاحب آپ نے ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ 76 کا بھی ایک حوالہ پیش کیا تھا؟

انور: ہاں! یہ دیکھئے وہ اس کتاب کے صفحہ 41 پر درج ہے۔

''کذب و افتراء عیسیٰ کی فطرت میں داخل تھا۔ اس نے اپنے یہودی استاد سے تورات پڑھی۔ لیکن اس کو عقل نہیں دی گئی۔ اس کی بے عقلی کی یہ دلیل ہے کہ استاد نے اس کو اچھی تعلیم نہیں دی۔ بہر حال عیسیٰ علمی اور عملی دونوں پہلو سے کمزور اور دماغی خلل میں مبتلا تھا''۔

خلیل احمد: اگر آپ یہ ''کذب و افتراء'' والی عبارت اصل کتاب سے نکال دیں تو مَیں تمام دوستوں کی موجودگی میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو 8/ (آٹھ آنے) انعام دوں گا۔ بشرطیکہ آپ ان سے سینما نہ دیکھیں۔

انور نے کتاب ہاتھ میں لے کر دیکھنا شروع کیا۔ مگر یہ الفاظ ندارد، چہرہ فق ہوگیا اور انور صاحب دل ہی دل میں مؤلف ''داستانِ مرزا'' کو صلواتیں سُنا رہے ہیں۔

خلیل احمد: معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مؤلف ''داستانِ مرزا'' کو اپنی طرف سے عبارتیں بنانے کا بے حد شوق ہے۔ اور وہ اس کو اس رنگ میں پورا کرتے ہیں۔ کہ مختلف عبارتوں کو کاٹ چھانٹ کر ایک عبارت بنا لیتے ہیں۔ اور پھر اس کو اصل عبارت ظاہر کرتے ہیں۔ کس قدر دیدہ دلیری ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت کا زیادہ سے زیادہ یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ انجیل کے بیانات کی رُو سے (نہ اپنے اعتقاد کے مطابق) کہ:

1۔ آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی عادت تھی۔ جیسا کہ کبھی کہا اے سانپو۔ اے سانپ کے بچو۔ (متی 23/33) کبھی اندھے کہا (متی 15/14) کبھی انہیں نہایت فحش کلمات میں یہ کہا۔ کہ کنجریاں تم سے پہلے خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں گی۔ اور کبھی ان کا نام سؤر اور کتے رکھا (21/31) کبھی انہیں احمق کہا (23/17) کبھی انہیں کہا کہ تم جہنّمی ہو (23/16)۔

2۔ انجیل کی رو سے مسیح کی عقل موٹی تھی کہ جاہل عورتوں اور عوام النّاس کی طرح مرگی کو بیماری نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ جن کا آسیب خیال کرتے تھے۔ (متی باب 17 آیت 18 و باب 8 آیت 32-28)

3۔انجیل کے بیان سے ظاہر ہے کہ آپ نے جھوٹ بولنے کا حکم دیا۔(متی باب 16 آیت 20)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو انجیل کے حوالوں سے صرف مندرجہ بالا امور ظاہر فرمائے ہیں۔ مگر تمہارے موٗلف صاحب نے اپنی طرف سے الفاظ گھڑ کے حضورؑ کی طرف منسوب کر دیئے۔ کس قدر شرم کا مقام ہے۔

انور صاحب حیران ہو گئے کہ یہ کیا معاملہ ہے اور دل ہی دل میں اس شعر کا وِرد کرنے لگے ۔

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہم کیا پروگرام بنا کر آئے تھے اور ہو کیا گیا۔

خلیل احمد: کیوں انور صاحب ابھی سے کیوں خاموش ہو گئے ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

وہ ذرا ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 6 کا حوالہ بھی پڑھ دیں۔

انور: وہ حوالہ اس کتاب کے صفحہ 52 پر یوں درج ہے کہ مرزا صاحب رقم فرماتے ہیں:

''عیسیٰ پر تین بار شیطانی الہام ہوا۔ اسی واسطے وہ وجود باری کا قطعی منکر تھا''۔

خلیل احمد: ''چہ دلاور است دُزدکہ بکف چراغ دارد'' کی مثال آپ کے موٗلف صاحب پر بالکل درست بیٹھتی ہے۔ ان کی بددیانتی ملاحظہ ہو۔حضور علیہ السلام ضمیمہ انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 290 پر تحریر فرماتے ہیں:

''ایک فاضل پادری صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنی زندگی میں تین مرتبہ شیطانی الہام ہوا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ اسی الہام سے خدا کے منکر ہونے کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے۔

اب دیکھو حضورؑ تو ایک پادری کا قول نقل فرماتے ہیں۔مگر آپ کے اس فاضل موٗلف نے اس کو کیسی دلیری کے ساتھ حضورؑ کی طرف منسوب کر دیا۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے۔

کیوں نہ ہو۔حضرت رسول مقبول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیش گوئی تھی۔ کہ میری امت یہود کے نقش قدم پر چلے گی اور ان کے اندر یہ مذموم صفت پائی جاتی تھی۔ کہ یُحَرِّفُونَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ[1]۔ پس آج آپ کے موئلف ''داستانِ مرزا'' نے ثابت کر دیا کہ وہ صاحبزادے ہم ہی ہیں۔جن کے حق میں سرور کائنات نے پیشگوئی کی تھی۔

انور: میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان عبارتوں کی رو سے مرزا صاحب پر توہین کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔مگر ایام صلح صفحہ 65 اور کشتیٔ نوح صفحہ 16 پر مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مریم صدیقہ اپنے منسوب یوسف کے ساتھ گھر سے باہر پھرا کرتی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ قبل نکاح ہی اس کو ناجائز حمل ہو گیا۔

خلیل احمد: آپ کی اور آپ کے موئلف ''داستانِ مرزا'' کی سمجھ پر ایسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ بے اختیار دل سے یہ مصرع نکلتا ہے ع

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایسا بہتان تراشا ہے جس کی مثال ناممکن ہے۔ یہ جو کشتی نوح کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ اس میں حضورؑ مریم کی شان کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور ایام الصلح کے حوالہ میں صرف اس بات کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ افغان لوگ بھی بنی اسرائیل ہیں۔ کیونکہ ان کے عادات واطوار آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جیسا کہ افغان لوگ یہودیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ منسوب لڑکے اور لڑکی کو ملنے جُلنے اور اکٹھے چلنے پھرنے سے نہیں روکتے۔مثلاً حضرت مریم صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ ملنا جُلنا اور اس کے ساتھ ہی گھر سے باہر پھرتے رہنا۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ افغان بھی دراصل بنی اسرائیل ہیں۔ مگر آپ کے مولانا موئلف داستانِ مرزا نے اپنی گندی فطرت کا اظہار کرتے ہوئے اس سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ نعوذ باللہ مریم صدیقہ کو ناجائز حمل ہو گیا تھا۔ حالانکہ حضور علیہ السلام نے یہ اپنی طرف سے نہیں لکھا۔ بلکہ عیسائی اور مسلمان دونوں اس بات پر متفق ہیں۔ پس ایسی صورت میں حضورؑ پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا۔

---

1 (النساء:47)

انور: اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ عیسائی اور مسلمان بھی یہی کہتے ہیں؟

خلیل احمد: سُنیے پادری عماد الدین صاحب ''خزانۃ الاسرار'' صفحہ 11 متی باب 1 آیت 18 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یوسف کی منگنی مریم کے ساتھ پہلے سے تھی۔ اُسی منگنی کی حالت میں یوسف کو خبر پہنچی کہ وہ حاملہ ہے جب اس نے دریافت کیا کہ یہ حمل کس کا ہے تو شاید مریم نے کہا کہ یہ روح القدس سے ہے۔ جیسے مریم کو فرشتے نے خبر دی تھی۔ بموجب بیان لوقا کے یہاں سے ظاہر ہے کہ منگنی کی رسم یہودیوں میں جاری تھی اور یہ اچھی رسم ہے۔ اس میں عورت و مرد کا حُسن و قبح خوب ظاہر ہوجاتا ہے''۔ (خزانۃ الاسرار)

''حُسن و قبح خوب ظاہر ہوجاتا ہے'' کے فقرہ سے آپس میں منسوب لڑکے لڑکیوں کا ایک دوسرے سے ملنا جُلنا اور بات چیت کرنا ثابت ہے کیونکہ اس کے بغیر حُسن و قبح ظاہر ہی کیسے ہوسکتا ہے۔ اور پادری عماد الدین کا یوسف نجار اور مریم صدیقہ کی منگنی کا ذکر کرنے کے بعد اس نوٹ کا لکھنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ دونوں منگنی سے پہلے ایک دوسرے سے ملتے جُلتے تھے۔

حمید اللہ: عیسائی مسلّمات سے تو یہ بات ثابت ہوگئی۔ اب آپ کسی مسلمان کا حوالہ دے کر بھی ان کو قائل کریں۔

خلیل احمد: سنیے علامہ ابن اثیر اپنی مشہور کتاب الکامل جلد اوّل کے صفحہ 121 (مطبوعہ مصر) پر لکھتے ہیں:

وقد ذکرنا حال مریم فی خدمۃ الکنیسۃ، وکانت ھی وابن عمّھا یوسف بن یعقوب بن ماثان النجّار یلیان خدمۃ الکنیسۃ، وکان یوسف حکیماً نجّاراً یعمل بیدیه ویتصدّق بذلك، وقالت النصاری: إنّ مریم کان قد تزوّجھا یوسف ابن عمّھا إلا أنّه لم یقربھا إلاّ بعد رفع المسیح، واللہ أعلم۔

وکانت مریم إذا نفد ماؤھا وماء یوسف ابن عمّھا أخذ کلّ واحد منھما قُلّته وانطلق إلى المغارۃ التی فیھا الماء یستعذبان منه ثمّ یرجعان الی الکنیسۃ، فلمّا کان الیوم الذی لقیھا فیه جبرائیل نفد ماؤھا فقالت لیوسف

لیذهب معها إلی الماء، فقال: عندی من الماء ما یکفینی إلی غد، فأخذت قلّتها وانطلقت وحدها حتی دخلت المغارة۔

یعنی ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ مریم اور یوسف اکٹھے گرجا کی خدمت کیا کرتے تھے اور یوسف نجاری کا کام کرتا تھا۔ اور اس آمدنی سے صدقہ کیا کرتا تھا۔ نصاریٰ کہتے ہیں کہ یوسف نے مریم کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ مگر وہ اس کے قریب نہیں گیا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح کا رفع ہو گیا۔ واللہ اعلم اور یوسف اور مریم کا جب پانی ختم ہو جایا کرتا تھا تو دونوں اپنا اپنا مشکیزہ لے کر اکٹھے پانی لینے کے لئے غار میں جایا کرتے تھے اور پانی بھر کر اکٹھے واپس آتے تھے۔

اور جس دن جبرائیل کے مریم سے ملنے کا واقعہ پیش آیا۔ اس دن مریم کا پانی ختم ہو گیا اور اس نے یوسف کو کہا کہ میرے ساتھ پانی لینے چلو۔ مگر یوسف نے کہا کہ میرے پاس کل تک کے لئے کافی پانی موجود ہے اور مریم اکیلی پانی لینے کے لئے چلی گئی۔

پھر اسی صفحہ پر مریم کے روح القدس سے حاملہ ہونے اور یوسف کا اس کو عجیب جان کر مریم کے ساتھ اس بارے میں کلام کرنے کا واقعہ درج ہے۔

حمید اللہ: بس جی رہنے دیں۔ مجھ پر تو اچھی طرح روشن ہو گیا ہے کہ ہمارے علماء نے اپنی آنکھوں پر بغض اور تعصّب کی پٹی باندھ کر یہ تمام اعتراضات کئے ہیں۔ ورنہ ؏

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

خلیل احمد: اب ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہرگز ہرگز حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین نہیں کی۔ بلکہ ان کو خدا کا نبی اور برگزیدہ مانا ہے۔ اور جو عبارتیں توہینِ مسیح کے الزام کی تائید میں پیش کی گئی ہیں وہ سب حضورؑ نے عیسائیوں کے فرضی اور وہمی مسیح اور جعلی خدا کی نسبت تحریر فرمائی ہیں جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ جیسا کہ حضورؑ فرماتے ہیں

1۔ ''اس زمانے کے پادریوں کی دجّالیت کی نظیر ہرگز ہم کو نہیں ملے گی۔ انہوں نے ایک موہومی اور فرضی مسیح اپنی نظر کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ جو بقول ان کے زندہ ہے اور خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے۔ سو حضرت مسیح ابن مریم نے خدائی کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا۔ یہ لوگ خود اس کی طرف سے وکیل بن کر خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں''۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 263-262)

2۔ ''ہمارا جھگڑا اس یسوع کے ساتھ ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے نہ اس برگزیدہ کے ساتھ جس کا قرآن کی وحی نے مع تمام لوازم کے ذکر کیا ہے''۔ (مجموعہ اشتہارات جلد دوم، صفحہ 216)

پس معلوم ہوا کہ یہ تمام عبارتیں اس فرضی مسیح کے متعلق ہیں جس کا حقیقت میں کوئی خارجی وجود نہیں۔ مگر عیسائیوں کے وہم نے اس کا اختراع کر کے پیش کیا۔ اور اسی اختراعی تصویر پر یہ تمام اعتراضات کئے گئے ہیں۔ نہ کہ خدا کے مقدس نبی مسیح علیہ السلام پر۔

چنانچہ اس کی تائید میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کی کتاب ہدیۃ الشیعہ صفحہ 245 کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

''مفرط فی المحبّت اس کا مُحِبّ نہیں جس کی محبّت کا مدّعی ہوتا ہے بلکہ اپنی خیالی تصویر کا محبّ ہوتا ہے''۔

مولانا موصوف اس کی یوں تشریح فرماتے ہیں:

''نصاریٰ جو دعویٰ محبّت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں تو حقیقت میں ان سے محبّت نہیں کرتے۔ کیونکہ دارومدار ان کی محبّت کا خدا کا بیٹا ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معدوم تھی۔ البتہ ان کے خیال میں تھی۔ سو وہ اپنی خیالی تصویر کو پوجتے ہیں۔ اور اسی سے محبّت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے''۔ (صفحہ 245)

اب دیکھئے مولانا محمد قاسم صاحب نے کیسی وضاحت سے فرمادیا کہ عیسائی درحقیقت حضرت عیسیٰ سے محبّت نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی خیالی تصویر سے محبّت کرتے ہیں۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی اس سے ہرگز ہتک نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس خیالی تصویر کی توہین ہے۔ جس کو وہ پوجتے ہیں۔

حمید اللہ: اس خیالی تصویر کی تو ضرور ہتک ہونی چاہیے۔ فرمائیے مسٹر انور اب اس واضح حوالہ کے بعد تو غالباً آپ جناب مرزا صاحب پر یہ الزام نہیں دیں گے؟

محمد انور: چونکہ اب یہ بات واضح ہوچکی ہے اس لئے اب مَیں ہرگز ان عبارتوں کو توہین کی وجہ قرار نہیں دے سکتا۔ مگر بعض امور ابھی قابلِ حل ہیں۔

خلیل احمد: فرمائیے! ان کو بھی آج ہی حل کئے دیتے ہیں......

محمد انور: پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا کسی اور بزرگ نے بھی یہ طریق اختیار کیا ہے۔ اگر نہیں تو پھر مرزا صاحب نے اس طریق کو کیوں پسند کیا۔

خلیل احمد: لیجئے سب سے پہلے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ جنہوں نے ردّ نصاریٰ کا بہت کام کیا اور بہت بڑے مصنّف اور مناظر گذرے ہیں۔ اور جن کو آپ لوگ بھی شیخ الہند اور شیخ الاسلام مانتے ہیں۔ وہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ازالۂ اوہام میں لکھتے ہیں۔

''زہے پاکیزگی فرزندانِ یعقوب علیہ السلام۔ کہ فرزند کلاں بکنیز ک پدر ہمبستر شدند۔ و فرزند دوم زوجہ پسر رادر آغوش کردہ۔ گو دوئمی وقت زنا کہ بقصد بود، نہ دانست کہ زوجہ پسر منست و قبل از اطلاع ایں معنی کہ او حاملہ از منست، حکم سوختن آں فرمودند، و بعد اطلاع ایں معنی اقرار نیکو کار بودنش فرمودند یعقوب علیہ السلام سزا را چہ ذکر ملامت و زجر ہم بہ صاحبزادہ والا تبار و آں زن نیکو کار نہ کردند و در اولاد ہمیں فارض کہ از شکم تا مار نیکو شعار برآمد داؤد، سلیمان و مسیح علیہ السلام اند'' (صفحہ 35)

یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندگان کی پاکیزگی ملاحظہ ہو۔ کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی لونڈی سے ہم بستر ہوا اور دوسرے فرزند نے اپنی بہو کے ساتھ بدفعلی کی۔ اور پھر قبل اس کے کہ حاملہ ہونے کا

اقرار کیا۔ اور یعقوب علیہ السلام نے سزا تو درکنار ان سے باز پرس تک نہیں کی۔ اور پھر اسی فارض کی اولاد سے کہ جو تامار کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ داؤد اور سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام پیدا ہوئے۔

2۔ پھر لکھتے ہیں

''جناب مسیح اقرار مے فرمائند کہ یحییٰ نہ نان مے خورند نہ شراب آشامیدند و آنجناب (حضرت مسیح) شراب ہم مے نوشیدند و یحییٰ در بیابان می مانند و ہمراہ جناب مسیح بسیار زناں ہمراہ مے گشتند و مال خود مے خورانیدند و زنان فاحشہ پائے ہائے آنجناب را مے بوسیدند و آنجناب مرتا و مریم را دوست می داشتند و خود شراب برائے نوشیدنِ دیگر کساں عطا مے فرمودند''۔ (صفحہ 370)

یعنی جناب مسیح خود اقرار کرتے ہیں کہ یحییٰ نہ روٹی کھاتا تھا اور نہ شراب نکالتا تھا۔ اور آپ (حضرت مسیح) شراب بھی پیتے تھے۔ اور یحییٰ بیابان میں رہتا تھا اور مسیح کے ساتھ بہت ساری عورتیں رہتی تھیں۔ اور اپنا مال کھلاتی تھیں اور فاحشہ عورتیں آپ کے پاؤں چومتی تھیں اور آپ مریم اور مرتا کو (جو فاحشہ تھیں) دوست رکھتے تھے۔ اور دوسرے لوگوں کو پینے کے لئے شراب عطا کرتے تھے۔

3۔ پھر لکھتے ہیں:

''ازیں صاف ظاہر شد۔ کہ مسیح را قدرتِ اظہار معجزہ نبود'' (ازالہ اوہام از مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی صفحہ 391)

یعنی اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کو معجزہ کے اظہار کی قدرت نہ تھی۔

4۔ اسی طرح صفحہ 405 پر فرماتے ہیں:

''وقتیکہ یہودا فرزند سعادت مند شاں از زوجہ پسر خود زنا کرد و حاملہ گشت و فارض را کہ از آباؤ اجداد داؤد سلیمان و عیسیٰ علیہم السلام بود زائیدہ''۔ (صفحہ 405)

''کہ جب یہودا نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا اور وہ حاملہ ہوگئی تو اس سے فارض پیدا ہوا۔ جو داؤد اور سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام کے آباؤ اجداد میں سے تھا''۔

اسی طرح مولانا سیّد آل حسن صاحب مرحوم مناظر اسلام اپنی مشہور کتاب استفسار میں لکھتے ہیں:

1۔شجاعت حضرت عیسیٰ کی صحبت سے حواریوں کونہیں حاصل ہوئی تھی۔پس تربیت حضرت عیسیٰ کی ازروئے حکمت کے بہت ہی ناقص ٹھہری۔ (صفحہ 107)

2۔ پھر فرماتے ہیں:

''ازانجملہ کلیتہً یہ بات ہے کہ اکثر پیشگوئیاں انبیائے بنی اسرائیل اور حواریوں کی ایسی ہیں۔ جیسے خواب اور مجذوبوں کی بڑ۔پس اگر انہی باتوں کا نام پیشگوئی ہے تو ہر ایک آدمی کے خواب اور ہر دیوانہ کی بات کو ہم پیشگوئی ٹھہرا سکتے ہیں''۔ (استفسار صفحہ 133)

3۔ پھر لکھتے ہیں:

''اور سب عقلاء جانتے ہیں۔کہ بہت سے اقسام سحر کے مشابہ ہیں معجزات سے خصوصاً معجزات موسویہ اور عیسویہ سے''۔ (استفسار صفحہ 336)

4۔ نیز فرماتے ہیں:

''اشعیاہ اور ارمیاہ اور عیسیٰ کی سی غیب گوئیاں قواعد نجوم اور رمل سے بخوبی نکل سکتی ہیں۔ بلکہ اس سے بہتر''۔ (صفحہ 336)

5۔ ''حضرت عیسیٰ کا معجزہ احیاء میت کا بعضے بھان متی کرتے پھرتے ہیں۔ کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا بعد اس کے سب کے سامنے دھڑ سے ملا کر کہا اٹھ کھڑا ہو وہ اٹھ کھڑا ہوا''۔ (صفحہ 336)

6۔ پھر لکھا ہے:

''معجزات موسویہ اور عیسویہ کہ بہ سبب مشاہدہ کارخانہ سحر اور نجوم وغیرہ کے کسی کی نظر میں ان کا اعجاز ثابت نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہ کہ معجزات موسویہ اور عیسویہ کی سی حرکات یہاں بہتوں نے کر دکھائیں''۔ (صفحہ 337)

7۔ پھر لکھتے ہیں:

''انجیل اوّل کے باب یازدہم کے درس نودہم میں لکھا ہے کہ بڑے کھاؤ اور بڑے شرابی تھے''۔ (استفسار صفحہ 353)

8۔ ''جس طرح اشعیاہ اور عیسیٰ علیہما السلام کی بعض بلکہ اکثر پیشگوئیاں ہیں۔ جو صرف بطور معمّے اور خواب کے ہیں۔جس پر چاہو منطبق کرلو۔ یا باعتبار ظاہری معنوں کے محض جھوٹ ہیں''۔ (استفسار صفحہ 366)

9۔ نیز فرماتے ہیں:

''پس معلوم ہوا۔ کہ حضرت عیسیٰ کا سب بیان معاذاللہ جھوٹ ہے۔ اور کرامتیں اگر بالفرض ہوتی بھی ہوں۔تو ویسی ہی ہوں گی۔جیسی المسیح الدّجال سے ہونے والی ہیں''۔ (استفسار صفحہ 369)

10۔ اسی طرح لکھتے ہیں:

عیسیٰ بن مریم کہ آخر درماندہ ہوکر دنیا سے انہوں نے وفات پائی۔ (صفحہ 232)

تلك عشرة كاملة

حمیداللہ: چلو جھگڑا ہی انفصال ہوا۔

مَیں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر اب بھی کوئی شخص جناب مرزا صاحب پر توہین مسیح کا الزام لگاتا ہے تو وہ یقیناً مخلوق خدا کو دھوکہ دینے والا شخص ہے۔ اور سچ پوچھو تو مَیں تو آپ کا ابھی سے معتقد ہوگیا ہوں۔ کیونکہ ان کے قلم نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ جو کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔ اور آپ کے ذریعہ حقیقی اسلام کا چہرہ روشن ہوا۔ جو دنیاداروں کے گناہوں اور خود غرضیوں کے بادل کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دار و رَسن کہاں

محمد انور: بے شک اس وقت تک جن مسائل پر گفتگو ہو چکی ہے۔ ان کی حقیقت تو مجھ پر واضح ہو چکی ہے۔ البتہ چند ایک باتیں ایسی باقی ہیں جن کی وجہ سے میرے دل میں خلش ہے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ ان باتوں کی موجودگی میں مرزا صاحب کا صادق ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

خلیل احمد: ع 'کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو'

آپ بے شک اعتراض کریں۔ اور دل کھول کر کریں۔ گو آپ کی حیثیت اس وقت مخالفانہ ہے۔ مگر مجھے اُمید ہے بہت جلد آپ کی مخالفت محبّت اور پیار میں تبدیل ہو جائے گی۔

حمیداللہ: مَیں سمجھتا تھا کہ انور صاحب اب خاموش ہو جائیں گے کیونکہ خلیل احمد صاحب کی مدلّل اور عالمانہ تقریر یقیناً لاجواب تھی اور ان کی جادو بیانی نے ہم کو محوِ حیرت کر دیا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ انور صاحب میں ابھی کوئی دَم باقی ہے۔ اور وہ مرزا اسداللہ خاں غالب کے اس شعر کے مطابق کہ

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

اپنی مخالفت کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

خلیل احمد: آپ نے خوامخواہ میری تعریف شروع کر دی۔ مَیں کیسا عالم اور کہاں کا جادو بیاں۔ من آنم کہ من دانم۔ یہ تو سب کچھ احمدیت کا اثر ہے۔ اور حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کی قوتِ قدسیہ کا فیضان ہے۔

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حمیداللہ: چلئے مسٹر انور صاحب۔ آپ اپنے شبہات پیش کریں۔ خلیل احمد صاحب نے کسرنفسی کرتے کرتے تصّوف کی بحث چھیڑ دی۔

محمد انور: اس کتاب ''داستانِ مرزا'' کے موٴلف نے مرزا صاحب کے بعض اشعار اور عبارتیں ایسی پیش کی ہیں۔ جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل قرار دیا ہے۔ اور جو شخص اپنے متعلق یہ دعویٰ کرے۔ مَیں اس کو نبی ماننے کے لئے تیار نہیں۔

خلیل احمد: آپ وہ اشعار اور عبارتیں ایک ایک کر کے پڑھتے جائیں۔ مَیں ان کے جوابات عرض کرتا جاؤں گا۔

محمد انور: پہلا اعتراض یہ ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کمتر درجہ کا نبی ثابت کر کے ان کی تحقیر کی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے کہا ہے ؎

اینک منم کہ حسبِ بشارات آمدم
عیسیٰ کجاست تابنہد پا بہ منبرم

یعنی بشارات کے مطابق آنے والا مَیں ہوں۔ عیسیٰ کہاں ہے کہ میرے منبر پر قدم رکھے۔

خلیل احمد: قبل اس کے کہ مَیں اس کا جواب عرض کروں۔ اس شعر کا سیاق و سباق پڑھ دیتا ہوں۔ اگر آپ غور کریں گے۔ تو آپ کا اعتراض اسی سے دور ہو جائے گا۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

موعودم و بحُلیہ ماثور آمدم!
حَیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم
رنگم چو گندم است وبمو فرق بیّن ست
زانساں کہ آمد ست در اخبار سرورم
ایں مقدمم نہ جاء شکوکست و التباس
سیّدؐ جُدا کند ز مسیحائے احمرم
از کلمۂ منارۂ شرقی عجب مدار
چوں خود زِ مشرق است تجلیٔ نیّرم

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجاست تا بہ نہد پا بمنبرم
آنرا کہ حق بجنّتِ خلدش مقام داد
چوں برخلاف وعدہ بروں آرد از ارم

(ازالہ اوہام حصہ اوّل روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 181-180)

یعنی جو حُلیہ حدیث میں آنے والے مسیح کا لکھا ہے۔ وہ حُلیہ میرا ہے۔ میرا رنگ گندمی ہے اور بالوں میں بیّن فرق ہے۔ جیسا میرے آقا و مولیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حدیث میں آیا ہے۔ یہ میرا آنا شک وشُبہ کی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ میرے سردار نبی کریمؐ نے میرا رنگ گندم گوں بیان فرما کر مجھے سُرخ رنگ والے مسیح سے علیحدہ کر دیا ہے۔ شرقی منارہ کے کلمہ سے تعجب نہ کر۔ جبکہ میرے آفتاب کی روشنی مشرق ہی سے ہے۔ مَیں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بشارات کے موافق آیا ہوں۔ عیسیٰ کہاں ہیں جو میرے منبر پر کھڑے ہوں۔ یعنی امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے کیونکہ ان کو تو خدا تعالیٰ نے جنّت خلد میں مقام عطا فرمایا ہے اور اب ان کا وہاں سے باہر آنا خداوندی وعدہ کے برخلاف ہے۔

ان اشعار میں تو احتمالی طور پر بھی توہین کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس میں حقیقت الامر کا اظہار ہے۔ جس کا توہین اور تحقیر سے کوئی تعلق نہیں۔

انور: مگر لفظ ''کجا'' سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ضرور تحقیر کی گئی ہے۔

خلیل احمد: کجا کا لفظ اور اس کا مفہوم اپنے اندر ہتک کا کوئی پہلو نہیں رکھتا۔ اور فارسی میں اس لفظ کا وہی مفہوم ہے جو عربی میں ''اَیْنَ'' اور اردو میں لفظ ''کہاں'' کا ہے اور انبیاء کے لئے ان تینوں لفظوں کا استعمال بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ مثلاً اردو کے ان اشعار میں جو جھوم جھوم کر آپ لوگوں کے منبروں پر پڑھے جاتے رہے ہیں:

آدم کہاں، حوّا کہاں، مریم کہاں، عیسیٰ کہاں
ہارون اور موسیٰ کہاں، اس بات کا ہے سب کو غم
یوسف کہاں، موسیٰ کہاں ایوب اور یحییٰ کہاں!
مریم کہاں، عیسیٰ کہاں، آخر فنا، آخر فنا
کہاں ہیں حضرت آدم، کہاں ہیں حضرت حوّا
کہاں ہیں نوح، پیغمبر کہ جو تھے آدم ثانی
کہاں یوسف کہاں موسیٰ، کہاں یحیٰ کہاں عیسیٰ
کہاں حضرت محمدؐ مصطفٰے محبوبِ ربّانی

2۔عربی کا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیں:

این موسیٰ این عیسیٰ، این یحییٰ این نوح
انت یا صدیق عاصی تُب الی المولی الجلیل

3۔ لیجئے فارسی کے بھی یہ اشعار موجود ہیں۔جن میں یہی ''کجا'' استعمال ہوأ ہے۔ان کو غور سے سنیے اور بتایئے کہ کیا توہین کی نیّت سے یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔اور وہ یہ ہیں:

تخت سلیمانی کجا، آں ماہِ کنعانی کجا
آں فرّخاقانی کجا، انا الیہ راجعون
کجا شد آدم و حوّا، کجا شد نوحِ طوفانی
کجاشد عیسی مریم کہ مردہ زندہ می کردے
سلیمان خود کجا رفتہ، کجا تختِ سلیمان
خلیل اللہ کجا رفتہ، ذبیح اللہ کجا رفتہ
ہمہ در خاک شد رفتہ.....................
چو ختم الانبیاء خود رفت دیگر کیست کو ماند
مگر ذاتِ مقدّس قادر و قیوم و صمدانی

اب بتائیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ لفظ استعمال کریں تو آپ اور آپ کے علماء فوراً توہین مسیح کا الزام عائد کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر یہی لفظ خود آپ کے بزرگ استعمال کریں۔ تو اس وقت وہ آپ کے لئے معرفت کا نکتہ بن جاتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔

ہم سے ہے اور تو غیروں سے ہے کچھ اور سلوک
دلبرا، آپ بھی کیا رکھتے ہیں، پیمانے دو

اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشعار کا تو مفہوم ہی بالکل اَور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں میرے آنے کے متعلق تھیں۔ سو مَیں ان کے مطابق آ گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں تھیں۔ وہ تو فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو فوت ہو جاتے ہیں۔ وہ دنیا میں دوبارہ واپس نہیں آیا کرتے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی واپس نہیں آئیں گے۔ کیونکہ

آنرا کہ حق بجنّت خلدش مقام داد
چوں برخلاف وعدہ بروں آردُ از ارم

یعنی ان کو اللہ تعالیٰ نے جنّت الخلد میں جگہ عطا فرما دی۔ اور وہ وعدہ فرما چکا ہے۔ کہ جنّت سے کوئی نہیں نکالا جاتا۔ پھر اس وعدہ کے برخلاف ان کو جنّت سے باہر کیوں لایا جائے گا۔

حمید اللہ: مَیں تو اس بات پر حیران ہوں کہ آپ کا مذہبی مطالعہ کس قدر وسیع ہے۔ آخر ہم بھی آپ کے ہم جماعت ہیں اور دوست ہیں۔ مگر آپ تو مذہبی علوم میں ماہر اور بہترین مناظر ہیں۔ اور ہم ہیں کہ اس وقت تک بالکل کورے کے کورے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

خلیل احمد: صرف یہی کہ میری مثال گاڑی کے اس ڈبّہ کی ہے جس کا تعلق انجن کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اور آپ کی مثال اس ڈبّہ کی جو سٹیشن کی کسی غیر مستعمل لائن پر انجن سے منقطع پڑا ہو۔

حمید اللہ: اگر اس کسمپرسی کی حالت میں پڑے ہوئے ڈبّہ کو انجن کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ تو؟

خلیل احمد: پھر یقیناً اس کے اندر بھی قوت رفتار پیدا ہو سکتی ہے۔

حمیداللہ: مگر اس کو جوڑنے کا طریق؟

خلیل احمد: بالکل آسان۔ آج ہی بیعت فارم پر دستخط کر کے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ قادیان کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ پھر دیکھیں آپ کے اندر کس قدر برق رفتاری پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کو محسوس کر کے آپ کو اپنے آپ پر وہی حیرت ہو گی جو آج مجھ پر ہو رہی ہے۔

محمد انور: لیجئے۔ انہوں نے تو مرزا صاحب کا مرید اور اپنا ہمنوا بنانے کے لئے آپ کو ابھی سے آمادہ کرنا شروع کر دیا۔

حمیداللہ: مگر مجھے تو نظر آ رہا ہے کہ ہم سب اکٹھے ہو کر عنقریب اس روحانی انجن کے ساتھ وابستہ ہونے والے ہیں۔ جو اس زمانہ میں اسلام کی گاڑی کو سلامتی کی لائن پر کھینچے جا رہا ہے۔

محمد انور: میرے تو ابھی کئی شکوک باقی ہیں۔

خلیل احمد: پیش کیجئے۔ ان شکوک کا نکالنا ہی تو ہمارا کام ہے۔

محمد انور: مرزا صاحب نے اس شعر میں اپنے آپ کو مسیح سے افضل قرار دیتے ہوئے حضرت مسیح کی تحقیر کی ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمدؐ ہے

خلیل احمد: اس شعر کا سیاق و سباق پیش کرتا ہوں۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

''یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عیسائیوں نے شور مچا رکھا تھا کہ مسیح بھی اپنے قرب اور وجاہت کی رُو سے واحد لاشریک ہے۔ اب خدا بتلاتا ہے کہ مَیں اس کا ثانی پیدا کروں گا۔ جو اس سے بھی بہتر ہے۔ جو غلام احمد ہے۔ یعنی احمدؐ کا غلام

زندگی بخش جام احمد ہے
کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے

لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا
سب سے بڑھ کر مقامِ احمدؐ ہے
باغِ احمد سے ہم نے پھل کھایا
میرا بُستاں کلام احمدؐ ہے
ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو!
اس سے بہتر غلام احمدؐ ہے

یہ باتیں شاعرانہ نہیں۔ بلکہ واقعی ہیں اور اگر تجربہ کی رو سے خدا کی تائید مسیح ابن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو۔ تو میں جھوٹا ہوں۔ خدا نے ایسا نہ کیا نہ میرے لئے۔ بلکہ اپنے نبی مظلوم کے لئے''۔ (دافع البلاء، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 241-240)

دیکھئے اس عبارت میں بھی مسیح محمدی کی جو غلام احمد یعنی حضرت احمد ﷺ کا غلام ہے۔ مسیح موسوی پر فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ فضیلت چونکہ فی الواقعہ ہے۔ اس لئے موجبِ ہتک نہیں ہوسکتی۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کی امت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت پر فضیلت حاصل ہونے کی وجہ سے امتِ موسویہ کی ہتک نہیں ہوتی۔ اسی طرح مسیح محمدی کو مسیح موسوی پر فضیلت حاصل ہونے کی وجہ سے مسیح موسوی کی بھی ہتک نہیں ہوتی۔

بلکہ اکابر علماء لکھتے اور مانتے آئے ہیں کہ حضرت موسےٰ نے بھی خواہش کی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے اُمتی ہوں۔ چنانچہ سید محمد بن نصیر الدین جعفر المکلی الحسینی نے بحر المعانی صفحہ 16 پر حضرت موسیٰ کی یہ دعا لکھی ہے۔

اللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ یعنی اے اللہ مجھے محمد ﷺ کی اُمت سے بنائیو۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام بوجہ امتی ہونے کے افضل ہیں اور اس سے آنحضرت ﷺ کی برتری ثابت ہوتی ہے۔ نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ہتک۔

محمد انور: کیا اس امت میں سے کسی بزرگ نے بھی اس بات کا اظہار کیا ہے کہ مسیح محمدیؑ مسیح موسوی سے افضل ہوگا؟

خلیل احمد: کیوں نہیں۔ مسیح موسوی تو الگ رہے۔ آنے والے مسیح کو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل مانا گیا ہے۔

محمد انور: ایسے چند ایک حوالے سنا دیں۔

خلیل احمد: سُنیے مولانا نورالحسن۔ خلیفہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی لمعہ نور صفحہ 361 پر لکھتے ہیں:

''مبداء اور معاد میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تحریر فرمایا ہے۔ اور مکتوبات شریفہ امام ربّانی میں حضرت موسیٰ کو غلبہ کمالاتِ نبوت کا اور حضرت عیسیٰ میں غلبہ کمالات ولائیت کا لکھا ہے۔ تو مطابقت بین القولین اس سے معلوم کرنا چاہیے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول کے اتباع شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔ تو یہ جامعیّت آپ کی بہ نسبت حضرت موسیٰ کے ظاہر و باہر ہے''۔

2۔ مبداء و معاد کے صفحہ 50 پر حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی فرماتے ہیں:

''حضرت عیسیٰ از حضرت موسیٰ افضل است۔ و رتبہ ٔ او فوق حضرت موسیٰ است و حدید البصر است وناقد النظر''

3۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں:

''وقال ابن ابی شیبة فی باب المھدی عن محمد بن سیرین قال یکون فی ھٰذہ الامة خلیفة خیر من ابی بکر و عمر۔ قیل خیر منھما۔ قال قد کاد یفضل علی بعض الانبیاء''۔ ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے مہدی کے بارے میں ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ

انہوں نے فرمایا کہ اس امت میں ایک خلیفہ ہو گا جو ابو بکرؓ و عمرؓ سے بہتر ہو گا۔ لوگوں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ ان سے بہتر ہو گا۔ تو آپؐ نے کہا کہ وہ تو بعض انبیاء سے بھی بڑھ جائے گا۔ (حجج الکرامہ صفحہ 386)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ امت محمدیہ میں آنے والا مسیح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل ہو گا اور افضل ہونے کی وجہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہونے کو قرار دیا گیا ہے۔ لیکن وائے افسوس اگر یہی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان مبارک سے بیان ہو تو وہ موجب ہتک و توہین بن جاتی ہے۔

مَیں چند ایک عبارتیں پیش کرتا ہوں جن میں حضور علیہ السلام نے اپنے افضل ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

1۔ چونکہ میں ایک ایسے نبی کا تابع ہوں جو انسانیت کے تمام کمالات کا جامع تھا اور اس کی شریعت اکمل اور اتم تھی۔ اور تمام دنیا کی اصلاح کے لئے تھی اس لئے مجھے وہ قوتیں عطا کی گئیں۔ جو تمام دنیا کی اصلاح کے لئے ضروری تھیں۔ تو پھر اس امر میں کیا شک ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو وہ فطرتی طاقتیں نہیں دی گئیں جو مجھے دی گئیں۔ کیونکہ وہ ایک خاص قوم کے لئے آئے تھے۔ اور اگر وہ میری جگہ ہوتے تو اپنی فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے جو خدا کی عنائیت نے مجھے انجام دینے کی قوت دی۔ **وھذا تحدیث نعمت اللہ ولا فخر**۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ آتے۔ تو اس کام کو انجام نہ دے سکتے۔ اور اگر قرآنِ شریف کی جگہ تورات نازل ہوتی۔ تو اس کام کو ہرگز؟؟ نہ دے سکتی۔ جو قرآنِ شریف نے دیا''۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 157)

یعنی میرے حضرت مسیح علیہ السلام سے افضل ہونے کی وجہ وہی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت موسیٰ سے افضل ہونے اور قرآنِ شریف کے انجیل سے افضل ہونے کی ہے۔ اب کون نادان ہے جو یہ کہے کہ چونکہ توریت کو قرآن کے مقابلہ میں کمتر اور حضرت موسےٰ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادنیٰ درجہ کا قرار دیا ہے۔ اس لئے توریت اور حضرت موسےٰ کی اس سے ہتک ہوتی ہے۔ اگر

ایسا نہیں تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حضرت مسیح ناصری سے افضل ہونا کس طرح موجب ہتک قرار دیا جاسکتا ہے۔

2۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 کے صفحہ 17 پر علی الترتیب فرماتے ہیں:

''مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے''۔اور ''مثیل موسیٰ موسیٰ سے بڑھ کر اور مثیل ابن مریم ابن مریم سے بڑھ کر''۔

یعنی آپ اپنے افضل ہونے کی وجہ وہی بیان فرماتے ہیں۔ جو بزرگان امت نے بیان فرمائی ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّتی ہونا۔

3۔ پھر حضورؑ ازالہ اوہام کے شروع میں بیان فرماتے ہیں:

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مرگئے۔ مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پیئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ (ازالہ اوہام، حصہ اوّل روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 104)

کیونکہ یہ جام دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے۔ جو آپ کو کامل پیروی کرنے کی وجہ سے عطا ہوا۔ جیسا کہ حضورؑ فرماتے ہیں۔

زندگی بخش جام احمد ہے
کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے

پھر فرمایا۔

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ ز بحر کمالِ محمدؐ است

4۔غرض اکابر امّت و بزرگانِ سلف نے مسیح موعود و مہدی مسعودؑ کو شریعتِ محمدیہ کی اتباع اور پیروی کی وجہ سے بعض انبیاء حتّٰی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے عظیم الشان نبی سے افضل مانا ہے۔اور حضرت اقدس

جناب مرزا صاحب علیہ السلام کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ مجھے جو درجہ و رتبہ عطا ہوا ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت و غلامی سے ملا ہے۔ اور جو کچھ مَیں نے پایا ہے وہ حضور ہی کے وسیلہ و طفیل سے پایا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیر رُسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 226)

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے
اس نور پر فِدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

(قادیان کے آریہ اور ہم، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 456)

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ ز بحر کمالِ محمدؐ است
ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدؐیست
وایں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 645)

پھر فرمایا: ؎

آں رسولے کش محمدؐ ہست نام
دامنِ پاکش بدستِ ما مدام
ما از و نوشیم ہر آبے کہ ہست
زوشدہ سیراب سیرابے کہ ہست

مازو یابیم ہر نور و کمال
وصلِ دلدارِ ازل بے او محال
اقتدائے قول او در جانِ ماست
ہر چہ زو ثابت شود ایمانِ ماست

(سراج منیر، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 95)

نیز فرماتے ہیں:

''پھر بعد اس کے جو الہام ہے وہ یہ ہے۔ **صل علیٰ محمد واٰل محمد سیّد ولد اٰدم وَخاتم النبیّین**۔ درود بھیج محمدؐ اور آل محمد پر جو سردار ہے آدم کے بیٹوں کا۔ اور خاتم الانبیاء ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب مراتب اور تفضّلات اور عنایات اسی کے طفیل سے ہیں۔ اور اسی سے محبّت کرنے کا یہ صلہ ہے۔ سبحان اللہ اس سرور کائنات کے حضرت احدیّت میں کیا ہی اعلیٰ مراتب ہیں اور کس قسم کا قرب ہے کہ اس کا محبّ خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ اور اس کا خادم ایک دنیا کا مخدوم بنایا جاتا ہے۔

ہیچ محبوبے نماند ہمچو یار دلبرم
مہرومہ را نیست قدرے در دیارِ دلبرم
آں کجا روئے کہ دارد ہمچو رویش آب و تاب
واں کجا باغے کہ مے دارد بہار دلبرم

(براہین احمدیہ حصّہ چہارم روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 598-597)

'' مگر یہ شرف مجھے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوا۔ اگر مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی مَیں کبھی یہ شرفِ مکالمہ مخاطبہ ہرگز نہ پاتا''۔ (تجلیات الٰہیہ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 412-411)

حمید اللہ: ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مرزا صاحب کا افضل ہونا صرف کمالات محمدیہ کو اپنے اندر جذب کرنے اور حضرت محمد ﷺ کی متابعت اور محبّت کی وجہ سے ہے۔ اب مسٹر محمد انور صاحب اپنی ضد پر قائم رہیں تو رہیں۔ مجھے تو یقین ہوگیا ہے کہ اس سے آنحضرت ﷺ کا درجہ بلند ہوتا ہے۔ نہ کہ کسی کی ہتک۔

خلیل احمد: دوست محمد انور غور فرمایئے۔ کہ کیا مسلمانوں کے لئے یہ باعث فخر اور قابلِ مبارکباد امر نہیں۔ کہ آنحضرت ﷺ کی امت میں سے خداتعالیٰ کسی ایسے انسان کو کھڑا کر دے۔ جو دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی برتری ثابت کرے اور زندہ نبی کے زندہ نشانات پیش کرے۔ اور بتایئے کہ کیا آپ کی روح اس وقت وجد میں نہیں آئے گی کہ جب ایسا شخص آنحضرت ﷺ کی قوتِ قدسیہ سے حصہ لے کر اور آپؐ کے فیضان سے مستفیض ہو کر کھڑا ہو کر یہ کہے کہ:

''اے عیسائی مشنریو! اب ربنا المسیح مت کہو۔ اور دیکھو کہ آج تم میں ایک ہے۔ جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے''۔ (دافع البلاء صفحہ 13)

اور اپنے آقا اور مطاع کی شان میں یہ گیت گاتے ہیں۔

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن
واں مسیح ناصری شد از دم او بیشمار

پس جب خدا نے اور اس کے رسول اور دیگر بزرگان امّت نے مسیح و مہدی کو اس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے اور اس کے افضل ہونے سے درحقیقت اسلام اور آنحضرت ﷺ کی ہی برتری ثابت ہوتی ہے۔ تو اس کو کسی نبی کی ہتک اور توہین کا موجب قرار دینا محمد انور صاحب ایسے لوگوں کا کام ہے جو اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے کہ اسلام اور آنحضرت ﷺ کا فیضان دیگر انبیاء سے بڑھ کر ثابت ہو۔ اس ذہنیت پر افسوس ہے جس میں سے عیسائیت کی بُو آتی ہو۔

محمد انور: کیا مرزا صاحب سے پہلے بھی کسی نے اس طریق کو استعمال کیا ہے؟

خلیل احمد: ہاں بعض اولیائے اُمّت نے بلکہ موجودہ زمانے کے آپ کے بعض علماء نے بھی اس قسم کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر کسی نے آج تک ان الفاظ کو موجبِ ہتک قرار نہیں دیا۔

محمد انور: سُنیے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عیسیم لیکن ہر آں کو یافت جاں
از دمِ من او بماند جاوداں
شد ز عیسیٰ زندہ لیکن باز مُرد
شاد آں کو جاں بدیں عیسیٰ سپرد

یعنی مَیں وہ عیسےٰ ہوں جس نے مجھ سے زندگی پائی وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور حضرت عیسیٰ سے جو لوگ زندہ ہوئے تھے پھر مر گئے۔ خوش وہ ہے جس نے (اپنی جان) اس عیسیٰ کے سپرد کر دی۔
(مثنوی دفتر چہارم صفحہ 88)

2۔ حضرت شمس تبریزؒ فرماتے ہیں:

آنچہ از عیسیٰ و مریم فوت شد
گر مرا باور کنی آں ہم شدم

یعنی جو مدارج و مراتب حضرت عیسیٰ و حضرت مریم کو حاصل نہیں ہوئے وہ مجھے حاصل ہو گئے ہیں۔ (دیوان شمس تبریز صفحہ 212)

جب اکابر امّت نے بھی ایسے دعاوی کئے ہیں اور اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک نہیں سمجھی گئی تو حضرت اقدس جناب مرزا صاحب کے ایسے دعویٰ سے کس طرح توہین کا پہلو نکالا جاسکتا ہے۔ پھر آپ کے علماء نے تو ایسے ایسے الفاظ اپنے بزرگوں اور اساتذہ وغیرہ کے متعلق استعمال کئے ہیں۔ جن کو دیکھ کر عقل حیران رَہ جاتی ہے کہ اس قسم کے الفاظ انہوں نے کس بنا پر استعمال کئے۔ مگر آپ لوگوں کے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی اور خاموش بیٹھے ان الفاظ کو سُنتے ہیں لیکن اگر ایسے

الفاظ مرزا صاحب وحی اور الہام کے مطابق اور بیّن وجوہ کی بنا پر استعمال فرمائیں تو آپ شور مچانا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے مولوی محمود الحسن صاحب نے جو دیوبندیوں میں شیخ الہند مانے جاتے ہیں۔ اپنے پیر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے۔

زباں پر اہل ہوا کی ہے کیوں اعل ہبل شاید

اُٹھا عالم سے کوئی بانئ اسلام کا ثانی

اس شعر میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو آنحضرت ﷺ کا ثانی کہا گیا ہے۔ پھر آگے لکھا ہے۔

مسیحائے زماں پہنچا فلک پر چھوڑ کر سب کو

چھپا چاہِ لحد میں وائے قسمت ماہِ کنعانی

قبولیّت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں

عبیدِ سُود کا ان کے لقب ہے یوسفِ ثانی

پہلے شعر میں اپنے ممدوح کو مسیحا اور یوسفِ ثانی دوسرے شعر میں اس کے سیاہ فام غلام کو یوسف ثانی قرار دیا گیا ہے۔

پھر اسی مرثیہ میں لکھا ہے۔

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا

اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

یعنی مسیح تو صرف ایک ہی کام کرتے تھے۔ کہ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ مگر مولوی رشید احمد نے دو کام کئے۔ ایک یہ کہ جو مُردہ تھے ان کو زندہ کر دیا۔ اور دوسرے یہ کہ جو زندہ تھے ان کو مرنے نہ دیا۔ مسیح کی مسیحائی اس مسیحائی کے مقابل میں کچھ چیز نہیں۔ حضرت مسیح ابن مریم ذرا اس مولوی رشید احمد گنگوہی کی مسیحائی کو تو دیکھیں۔

اب انصاف سے بتائیں کہ مولوی رشید احمد جو بے شمار مولویوں میں سے ایک مولوی اور بے شمار پیروں میں سے ایک پیر تھے۔ اس سے زیادہ کسی درجہ و مرتبہ کا انہیں کوئی دعویٰ نہ تھا۔ ان کے لئے اتنا کچھ لکھ دیا کہ ان کو صرف مسیح اور یوسف بنانے تک ہی اکتفاء نہ کی۔ بلکہ ان کو آنحضرت ﷺ کا بھی ثانی قرار دے دیا۔ اور پھر ان کے ایک سیاہ فام غلام کو یوسف کا مثیل بنا دیا اور ان کے معجزہ کو حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزہ سے بڑھا ہوا قرار دے کر حضرت مسیح پر طعن کی کہ ع

''اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم''

پھر یہیں تک بس نہیں کی۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ

پھریں تھے کعبہ میں ڈھونڈتے گنگوہ کا رستہ
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوق عرفانی

یعنی وہ نیّت کا شوق رکھنے والے کعبہ میں بھی گنگوہ کا رستہ تلاش کر رہے تھے۔ کیونکہ ان کو (نعوذ باللہ) کعبہ میں وہ عرفان حاصل نہ ہوسکا جو گنگوہ میں حاصل ہوسکتا تھا۔

اب آپ اس سے خود ہی اندازہ لگالیں کہ مولوی رشید احمد کی فوقیّت کس پر ظاہر کی گئی ہے؟

دیوبندیوں کے شیخ الہند اور بلند پروازی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

تمہاری تربتِ انور کو دے کر طُور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار اَرِنی، میری دیکھی بھی نادانی

حمید اللہ: ان اشعار میں تو مشرکانہ ذہنیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ عام مولویوں میں سے ایک مولوی کی نسبت ایسے الفاظ لکھے گئے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے نزدیک نہ اس سے مسیح اور یوسف اور موسیٰ علیہم السلام کی ہتک ہوتی ہے اور نہ آنحضرت ﷺ کی اور نہ خدا کی۔ اور اگر ایک شخص جس کو خدا نے مسیح موعود بنایا ہے صرف یہ لکھ دے کہ مَیں مسیح موسوی سے افضل ہوں اور افضل بھی صرف اس وجہ سے کہ میرا متبوع افضل ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ مسیح کی ہتک ہوگئی۔

محمد انور: ان باتوں کو تو مَیں سمجھ چکا۔ لیکن آپ کے مرزا صاحب پر ایک ایسا الزام ہے کہ اس کی موجودگی میں آپ کا مذہب کبھی درست نہیں ہوسکتا۔

خلیل احمد: فرمایئے وہ کون سا الزام ہے جس کی بنا پر آپ ہمیں حق پر نہیں سمجھتے۔

محمد انور: یہ کہ آپ لوگ مرزا غلام صاحب کو حضرت سرور انبیاء ﷺ سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہ دیکھیئے اس کتاب (داستانِ مرزا) کے صفحہ 82 پر توہین کی وجہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

آپ کے خلیفہ میاں محمود اپنی ڈائری مطبوعہ الفضل 17 مئی 1922ء میں اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کرسکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد صلعم سے بھی بڑھ سکتا ہے''۔

اسی طرح اس کتاب (داستانِ مرزا) کے صفحہ 81 پر بھی یہی الزام لگایا گیا ہے۔

ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ جون 1929ء جس میں آپ کے خلیفہ مرزا بشیر الدّین محمود لکھتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذہنی ارتقاء آنحضرت ﷺ سے زیادہ تھا۔ اس زمانہ میں تمدّنی ترقی زیادہ ہوئی اور یہ جزوی فضیلت ہے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کو آنحضرتؐ پر حاصل ہے۔ نبی کریم صلعم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدّن کے نقص کے نہ ہوا اور نہ قابلیّت تھی''۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مرزا صاحب دیگر انبیاء تو کیا خود آنحضرت ﷺ سے بھی افضل ہیں۔

خلیل احمد: نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ سراسر افتراء اور کذب بیانی ہے اور جماعت احمدیہ پر شدید ظلم ہے۔ مجھے ''داستانِ مرزا'' کے مولف پر تو چنداں افسوس نہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کا تو پیشہ ہی یہی ہے کہ حق بات کو سمجھتے ہوئے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ واقعہ یوں

نہیں لیکن عوام اور کم فہم لوگوں کو اپنا شکار بنانے کے لئے اس قسم کی گندی سے گندی حرکات کرنے سے بھی شرم نہیں کھاتے۔

ہاں آپ کی عقل پر افسوس ضرور ہے کہ آپ نے اس شخص کی تحریر پر یقین کرتے ہوئے ہم کو موردِ الزام گردانا۔ جو اس گروہ میں سے ہے۔جس کے متعلق صادق ومصدق نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ **علماؤ ھم شر من تحت ادیم السماء**۔کہ اس زمانہ کے علماء بدترین مخلوق ہوں گے۔اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ آجکل کے علماء سوء ہی **ھم یھود ھٰذہ الامۃ**۔اس امت کے یہود ہیں کس قدر افسوس ہے کہ وہ جماعت جس کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ

''نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔سو تم کوشش کرو کہ سچی محبّت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔تا تم آسمان پر نجات یافتہ لکھے جاؤ''۔

''نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اُس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے''۔ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 14-13)

اس جماعت پر اور اس کے واجب العزت خلیفہ پر یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی منکر اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ سے افضل سمجھتی ہے۔

جس جماعت کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ

''عقیدہ کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے''۔ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 16-15)

اس پر یہ الزام لگانا کس قدر ظالمانہ فعل ہے۔

جماعت احمدیہ کا بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اپنے محبوب آقا کی مدح میں یہ گیت گا رہا ہے کہ۔

''بے تو ہرگز دولتِ عرفان نمی یابد کسے
گرچہ میرد دَر ریاضت ہائے وجہد بے شمار''

اور شرارت پھیلانے والا دشمن ہم پر سرور انبیاء ﷺ کی کسرِ شان کا الزام لگاتا ہے۔ ''داستانِ مرزا'' کے بددیانت مولّف نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (امام جماعت احمدیہ کی طرف ان عبارتوں کو منسوب کرکے آنحضرت ﷺ کی تحقیر کا الزام تراشا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مصلح موعودؓ ہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

''نادان انسان ہم پر الزام لگاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کو نبی مان کر گویا ہم آنحضرت ﷺ کی ہتک کرتے ہیں۔ اسے کسی کے دل کا حال کیا معلوم؟ اسے اس محبّت اور پیار اور عشق کا علم کس طرح ہو جو میرے دل کے ہر گوشہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔ وہ کیا جانے کہ محمد ﷺ کی محبّت میرے اندر کس طرح سرائیت کرگئی ہے۔ وہ میری جان ہے میرا دل ہے میری امید ہے۔ میرا مطلوب ہے اس کی غلامی میرے لئے عزت کا باعث ہے۔ اور اس کی کفش برداری مجھے تختِ شاہی سے بڑھ کر معلوم دیتی ہے۔ اس کے گھر کی جاروب کشی کے مقابلہ میں بادشاہت ہفت اقلیم ہیچ ہے۔ وہ خدا کا پیارا ہے پھر مَیں کیوں اسے پیار نہ کروں۔ وہ اللہ کا محبوب ہے۔ پھر مَیں اس سے کیوں محبّت نہ کروں۔ وہ خداتعالیٰ کا مقرب ہے پھر مَیں کیوں اس کا قرب تلاش نہ کروں۔ میرا حال مسیح موعودؑ کے اس شعر کے مطابق ہے ؎

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

(حقیقۃ النبوۃ صفحہ 186-185)

محمد انور: اگر آپ لوگوں کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کا احترام اور حضورؐ سے محبّت اس درجہ تک ہے تو پھر ان عبارتوں کا کیا مطلب ہے۔ جن سے تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔

خلیل احمد: یہ صرف مؤلف کی دھوکہ دہی ہے۔ اس نے بددیانتی سے اصل مضمون کو چھوڑ کر دیدہ دانستہ گمراہ کن طریق اختیار کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا ہے۔ تعصب کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہو گئی ہے ؂

بدگمانی نے انہیں مجنون و اندھا کر دیا!

ملاحظہ فرمائیے۔ مؤلف مذکور نے ریویو آف ریلیجنز جون 1929ء کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ یہ مضمون مئی 1929ء کے پرچہ میں ہے اور حوالہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف منسوب کر کے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ گویا یہ عبارت حضور کی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ جناب ڈاکٹر شاہنواز صاحب کا مضمون اور انہی کی عبارت ہے جس میں سے ایک حصہ پر اعتراض کیا گیا ہے۔

پھر مؤلف مذکور کی خطرناک بددیانتی اور فریب دہی یہ ہے کہ اصل عبارت کے بعض الفاظ کو تبدیل کر کے معنوی بگاڑ پیدا کر دیا۔ تاکہ الزام درست ہو سکے۔ چنانچہ مؤلف کے جس حوالہ کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدّن کے نقص کے نہ ہوا۔ اور نہ قابلیت تھی''۔

حالانکہ اصل عبارت یوں ہے:

''نبی کریمؐ کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدّن کے نقص کے نہ ہوا۔ ورنہ قابلیّت تھی''۔

حمید اللہ: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ان لوگوں کی دیانت کا حال ہے جو ہماری ہدایت کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے ہیں۔ خلیل صاحب اگر آپ کے پاس اصل کتاب ہو تو اس کی تمام عبارت پڑھ کر سنا دیجئے تاکہ ہم اصل مضمون کو سمجھ سکیں۔

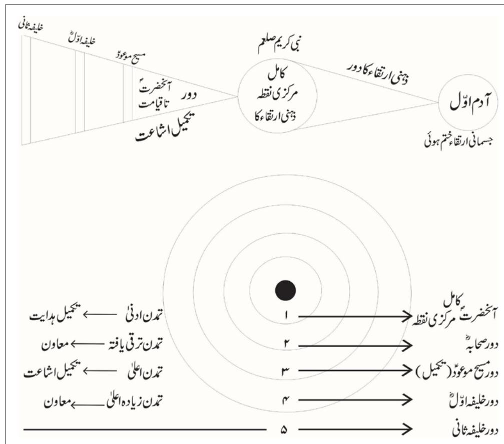
خلیل احمد: بہتر۔ یہ لیجئے مَیں آپ کو اصل حوالہ بمعہ سیاق وسباق سنائے دیتا ہوں۔ لکھا ہے۔

''آدم اوّل پر جسمانی ترقی ختم ہو گئی جس کے بعد جسمانی ارتقاء بند ہو گیا۔ اور اس کے بعد ذہنی ارتقاء شروع ہوا۔ مختلف انبیاء علیہم السلام نے اس ذہنی روحانی ترقی سے کم وبیش حصہ لیا۔ اور آخر

میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا جن کو ذہنی ترقی میں سب سے زیادہ حصہ ملا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود میں ذہنی ارتقاء اپنے کمال کو پہنچ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم روحانی ترقیات میں بوجہ اس ذہنی برتری کے تمام بنی نوع پر جو گذر چکے، موجود تھے اور آئندہ قیامت تک ہوں گے فوقیت لے گئے۔ واضح ہو کہ ذہنی ارتقاء کے اظہار کا زمانہ کی تمدنی حالت کے ساتھ بہت دخل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت سرور دوجہاں پر آ کر ذہنی ترقی ختم ہو گئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذہنی ترقی کا کامل مرکزی نقطہ تھے۔ مگر بوجہ تمدّن کے نقص کے حضورؐ کی اس ذہنی ترقی کا کامل ظہور حضورؐ کی بعثت اوّل میں نہ ہوا۔ گو استعداد تھی۔ مگر پورا اظہار نہ ہو سکا۔ پس یہ ذہنی ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں آ کر یہ ذہنی ارتقاء اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اور بوجہ تمدّن کے اعلیٰ ہونے کے حضورؐ کی ذہنی استعداد کا اظہار پوری شان کے ساتھ ہوا۔ اور تکمیلِ اشاعت کا فرض پوری طرح ادا ہو گیا۔ اب یہ ذہنی ارتقاء پہلے گذر جانے والوں سے زیادہ ہو گا۔ مگر چونکہ مرکزی کامل نقطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضورؐ کی ہی کامل اطاعت و پیروی اور محبّت میں فنا ہونے سے یہ ترقی پچھلوں کو نصیب ہو گی۔ اس لئے ان کی ترقی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہو گی۔ اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان نہیں۔ بلکہ آپؐ کا درجہ اور بھی بڑھے گا۔ کیونکہ لائق شاگردوں کی کامیابی اور ترقی کا سہرا قابل اُستاد کے سر ہی باندھا جاتا ہے۔ پھر بعد میں آنے والوں کی ذہنی ترقی صرف اپنے پھیلاؤ کے لحاظ سے پہلوں سے زیادہ ہو گی۔ نہ کہ اپنی تیزی اور چمک کے لحاظ سے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنی ترقی بلحاظ اپنی چمک اور نور کے سب سے زیادہ تیز ہے۔ مگر اس کا پھیلاؤ بوجہ تمدّن کے نقص کے زیادہ نہ ہوا۔ بعد میں آنے والوں کی ذہنی ترقی میں اتنی چمک اور تیزی نہ ہو گی۔ مگر بوجہ تمدن کے اعلیٰ ہونے کے پھیلاؤ زیادہ ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی بہت بڑی کینڈل پاور کا لیمپ ہو۔ جو اپنی چمک دمک میں سب چراغوں کو

مات کر دے۔ مگر بعد میں آنے والے اس لیمپ کے آگے مجوّف لینز رکھ دیں جو اس کی روشنی کو میلوں تک پہنچا دیں۔.....

اوپر کی تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی آپؑ سے افضل ہیں۔ کیونکہ وہی کامل مرکزی نقطہ ذہنی ترقیات کا تھا۔ جس کے طفیل آپؑ کو یہ درجہ ملا...... اس زمانہ میں تمدّنی ترقی زیادہ ہوئی ہے۔ اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدّن کے نقص کے نہ ہوا۔ ورنہ قابلیّت تھی۔ اب تمدّن کی ترقی سے حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ (بعثتِ ثانی) میں ان کا پورا ظہور ہوا...... اس سے قبل چونکہ ان باریک علمی باتوں کی ضرورت پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس لئے ان کا اظہار بھی نہ ہوا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تمدّن کی ضرورت کے ماتحت ان کو قرآنِ کریم سے نکالا اور اپنی کتب میں ان کی تشریح فرمائی۔ مگر وہ سب علوم بطور بیج کے قرآنِ کریم میں پہلے سے موجود تھے اور اب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ان حقائق و معارف کو اور زیادہ وضاحت سے بیان فرما رہے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں موجود ہے۔ اس لئے آپ کے طفیل ہی ہے اور قیامت تک یہ علمی موتیوں کی لُوٹ جاری رہے گی۔ مگر وہ مرکزی کامل نقطہ جس کے گرد یہ پاکیزہ ہستیاں چکر لگا رہی ہیں۔ اور آئندہ آنے والی تاقیامت لگاتی رہیں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم ہی ہیں۔ اللّٰھم صل علی محمد۔ ان سب کا مقام نقشہ سے ظاہر ہے۔



جوں جوں تمدّنی ترقی کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا۔ ذہنی ترقی کا ظہور بھی زیادہ ہو گا۔ آنحضرت ﷺ میں ذہنی ترقی کی استعداد کاملہ تھی۔ گو بوجہ تمدّنی نقص کے بعثت اوّل میں اس کا پورا ظہور نہ ہوا۔ مگر حضورؐ کی ترقی برابر جاری رہی۔ اب بھی جاری ہے۔ اور تاقیامت جاری رہے گی۔ گو حضرت مسیح موعودؑ آنحضرت ﷺ سے 1300 سال بعد آئے اور ذہنی ترقی اس 1300 سال کے عرصہ میں کر لی ہے۔ وہ مسیح موعودؑ کی ذہنی ترقی سے بہت ہے۔ گویا جتنا حضورؐ پہلے تشریف لائے تھے۔ اتنی ہی آپؐ نے زیادہ ترقی کی ہے کیونکہ آخرت کی ترقی اس دنیا کے مقابل میں زیادہ سُرعت سے ہو گی۔ لہٰذا حضورؐ کے بعد جو آئیں گے وہ حضورؐ سے کم روحانی ترقی حاصل کریں گے۔ پس نبی کریمؐ کی بعثت کے بعد اب یہ معاملہ اُلٹ ہو گیا ہے۔ نبی کریمؐ سے قبل جو گذر چکے ہیں وہ تو برزخ میں ابھی اپنی ذہنی کمی کو پورا کر رہے ہیں۔ اس لئے وہ اگر ایک لاکھ سال بھی حضورؐ سے قبل فوت ہوں تو بھی حضورؐ سے آگے نہیں نکل سکتے۔ اور جو حضورؐ کے بعد فوت ہوں گے وہ بھی روحانی ترقیات میں حضورؐ سے آگے نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ جتنا عرصہ وہ دنیا میں ذہنی ترقی کریں گے۔ اتنا عرصہ حضورؐ برزخ میں روحانی ترقی کریں گے۔ پس حضورؐ پہلے گذرنے والوں اور بعد میں آنے والوں سب سے روحانی ترقی میں سبقت لے جائیں گے۔ اللّٰھم صل علی محمد و علیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین''۔

مضمون جناب ڈاکٹر شاہ نواز

(ریویو آف ریلیجنز مئی 1929ء صفحہ 22-19)

افضل بیگ: تو گویا یہ مضمون آپ کے خلیفہ صاحب کا نہیں۔ بلکہ کسی اور شخص کا ہے؟

خلیل احمد: جی ہاں ایسا ہی ہے۔

افضل بیگ: تو پھر کیا یہ بددیانتی ہمارے مسلمان مولویوں کے ہی حصّہ میں رہ گئی ہے کہ مضمون کسی اور کا، منسوب کسی اور کی طرف کر رہے ہیں۔

حمید اللہ: اور پھر یہ بھی تو غور کریں کہ اس ساری عبارت میں مضمون نویس کا مدعا صرف یہی ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ اصل مرکزی نقطہ آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔ اور بار بار اس بات کو دُہرایا ہے۔ چنانچہ

جن جن فقرات پر خلیل احمد صاحب نے لکیر دی ہے وہ فقرے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ مضمون نویس کا مدعا صرف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی برتری اور فضیلت کو برقرار رکھے اور یہ ثابت کیا ہے کہ پہلے اور بعد میں آنے والوں میں سے کوئی بھی آنحضرت ﷺ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ بالخصوص نقشہ سے یہ امر صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں مرکزی نقطہ تمام ترقیات کا آنحضرت ﷺ کو ہی قرار دیا ہے۔ اور لیمپ اور لینز کی مثال تو بالکل اس بات کو واضح کر رہی ہے۔ پر نامعلوم ہمارے انور صاحب مؤلف ''داستانِ مرزا'' کی ہمنوائی کر کے کیوں بہتان تراشی کر رہے ہیں۔

انور: مگر مرزا صاحب کا ذہنی ارتقاء آنحضرتؐ سے زیادہ ہونے کی وجہ سے جزوی فضیلت حاصل ہونا تو یقیناً قابل اعتراض ہے۔

خلیل احمد: ہمارا ہرگز یہ عقیدہ نہیں۔ بلکہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے مطابق کہ ''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درجہ اور شان کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے برابر سمجھنا مَیں کفر سمجھتا ہوں''۔ (ذکر الٰہی صفحہ 19)

ہمارا بھی یہی اعتقاد ہے۔ پس ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس قسم کے الفاظ درست نہیں۔ اور الفضل 19 اگست 1934ء کے پرچہ میں قاضی محمد نذیر صاحب مولوی فاضل لائلپوری کے استفسار پر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے اس قسم کے الفاظ کی تردید کر دی گئی ہے۔ چنانچہ مَیں وہ حوالہ بمعہ استفسار پیش کئے دیتا ہوں۔ قاضی محمد نذیر صاحب مولوی فاضل لائلپوری نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس مذکورہ بالا مضمون کے بعض الفاظ کو قابل اعتراض قرار دیتے ہوئے حضور کی خدمت میں لکھا کہ:

''ڈاکٹر صاحب کو آنحضرت ﷺ کا بیان کردہ مقام مدّنظر رکھ کر یوں لکھنا چاہیے تھا کہ اوپر کی تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کا ذہنی ارتقاء جو بدرجہ کمال پہنچ چکا ہوا تھا۔ اپنی وسعت اور پھیلاؤ کے لحاظ سے بوجہ تکمیل اشاعت ہدایت کے جو مسیح موعود

سے وابستہ تھی بدرجہ کمال ظاہر ہوا اور بوجہ اس کے کہ نور آنحضرت ﷺ کا تھا۔ یہ خوبی بھی رسول کریم ﷺ کی ہی سمجھی جائے گی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ آنحضرت ﷺ کے ظل ہونے کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے انوار و برکات کو زیادہ وسعت کے ساتھ پھیلا رہے ہیں''۔

اس استفسار کے جواب میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

''باصلاح الفاظ درست ہے۔ مَیں نے یہ حوالہ پہلے نہ پڑھا تھا۔ اس کے الفاظ بھی ناپسندیدہ اور نامناسب ہیں''۔ (الفضل 19 اگست 1934ء صفحہ 5 کالم 2)

جزوی فضیلت کے الفاظ پر قاضی صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے استفسار کیا ہے:

''اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام کمالات آنحضرت ﷺ کے کمالات کا ظل ہیں اور آنحضرت ﷺ کا ذہنی ارتقاء بلحاظ استعداد انتہا درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ اور اسی کے انعکاس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ذہنی ارتقاء بدرجہ کمال حاصل کیا۔ تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ پر جزوی فضیلت کیسے ہوئی۔ بلکہ تمام فضیلت تو اصل کو حاصل رہی۔ کیونکہ ظل میں جو کچھ ظاہر ہوا ہے۔ وہ تو بالکل اصل کا انعکاس ہے۔ ظلّیت کو اصل پر جزوی فضیلت قرار نہیں دیا جاسکتا''۔

اس کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تحریر فرمایا:

''درست ہے۔ ریویو کے الفاظ ناپسندیدہ اور نتیجہ (جزوی فضیلت) یقیناً دلیل سے ایک ظل کی دوسرے ظل پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ نہ کہ ظل کی اصل پر۔ پس ڈاکٹر صاحب نے نتیجہ غلط نکالا ہے اور الفاظ نامناسب استعمال کئے ہیں''۔ (الفضل حوالہ مذکورہ کالم نمبر 3)

پس ہمارا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو آنحضرت ﷺ کے ظل ہیں اپنے اصل پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے آپ کا اعتراض باطل ہے۔

محمد انور: اگر ایسا ہی ہے۔ تو پھر 17 مئی 1922ء کے الفضل میں آپ کے خلیفہ صاحب کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہو گا؟

''یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کرسکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پاسکتا ہے۔ حتّٰی کہ محمد ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے''۔ (داستانِ مرزا صفحہ 82)

خلیل احمد: حضور کی یہ ڈائری 17 مئی کے پرچہ میں نہیں۔ بلکہ 17 جولائی 1922ء کے صفحہ 5 پر شائع ہوئی ہے۔مؤلف ''داستانِ مرزا'' نے اس میں سے صرف دو سطریں درج کردیں اور باقی گیارہ سطروں کو چھوڑ دیا۔ سُنیئے اس کے متعلق بھی قاضی محمد نذیر صاحب استفسار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

استفسار۔ الفضل 17 جولائی 1922ء صفحہ 5 کالم نمبر 3 میں حضور کی اک ڈائری شائع ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کوئی سوال مذکور نہیں۔ تا معلوم ہوسکے حضور نے کس کا جواب دیا ہے۔ حضور مہربانی فرما کر اس کی وضاحت فرمائیں تو عین عنایت ہوگی۔ مضمون ڈائری حسبِ ذیل ہے۔

''یہ بالکل صحیح ہے کہ ہر شخص ترقی کرسکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پاسکتا ہے۔ حتّٰی کہ محمد ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اس میدان میں سب سے آگے بڑھ گئے اور خدا تعالیٰ نے آئندہ کے متعلق گواہی دے دی کہ آپؐ آئندہ آنے والی نسلوں سے بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ پیغامی یہی کہہ کر لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتے ہیں کہ اس لئے رسول کریمؐ کے بعد امت محمدیہ میں نبی نہیں آسکتا اور مسیح موعود ابوہریرہ سے بھی کم درجہ کے ہیں۔ یہ دلیل اب تو لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا سکتی ہے۔ مگر آئندہ زمانہ میں پیغامیّت کو کھا جانے والی ہوگی۔ کیونکہ اگر روحانی ترقی کی تمام راہیں ہم پر بند ہیں۔ تو اسلام کا کچھ بھی فائدہ نہیں۔ اور پھر اس میں کوئی خوبی بھی نہیں کہ ایک کو بڑھا دیا جائے اور دوسروں کو بڑھنے نہ دیا جائے۔ ہاں خوبی یہ ہے کہ موقع سب کو دیا جائے پھر آگے جو بڑھ جائے''۔

مندرجہ بالا ڈائری پر مخالفین کی طرف سے یہ سوال ہوتا ہے۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ آئندہ آنے والی نسلوں سے بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ تو پھر تو کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے برابر کا درجہ پاسکے۔ آپؐ سے آگے بڑھ سکے پھر یہ کیوں لکھ دیا گیا۔ کہ ہر شخص محمد رسول اللہ سے بڑھ سکتا ہے''۔

اس کا جواب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے یہ دیا گیا:

جواب: ''اس حوالہ کا مطلب یہ ہے کہ فرضی طور پر اگر کوئی شخص کہے کہ اس مقام کے اوپر کوئی مقام نہیں۔جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضرور ہے ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی رُک چکی ہے۔ حالانکہ آپؐ الٰہی حکم سے خود فرماتے ہیں: رَبِّ زِدْنِی عِلْماً۔ اس پر اگر کوئی کہے کہ کیا خدا تعالیٰ نے اس آئندہ ترقی کے مقام پر پہنچنے سے لوگوں کو جبراً روک دیا۔ تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہرگز نہیں۔ اگر کوئی شخص محمدیت کے مقام سے بڑھنے کی استعداد پیدا کر لیتا۔تو خدا تعالیٰ اسے اس کے درجہ سے محروم نہ کرتا۔مگر سوال تو یہ ہے کہ عملاً ایسا نہیں ہوا۔ اور کسی ماں نے کوئی بچہ نہیں جنا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو کیا آپ کے برابر بھی پہنچتا۔ پس حوالہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جبراً اور ظلماً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمبر اوّل نہیں دیا۔ بلکہ آپؐ نے خدا تعالیٰ کی راہ میں سب سے زیادہ قربانی کر کے اور سب سے زیادہ خدا کو پیار کر کے اس رتبہ کو حاصل کیا ہے۔ پس امکانی طور پر جو چاہو کہو۔عملاً یہی امر ہے کہ گذشتہ کا نہ آئندہ کا کوئی شخص آپ کے برابر نہیں''۔ (الفضل 19 اگست 1934ء صفحہ 5 کالم نمبر 3)

حمید اللہ۔ کیوں انور۔ اب تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مؤلف ''داستانِ مرزا'' نے عبارت کو کانٹ چھانٹ کر جماعت احمدیہ پر یہ الزام لگایا ہے ورنہ جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تمام اگلے پچھلے لوگوں سے بالا ہے۔ اور کوئی ان کی شان اور رُتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

محمد انور: اصل عبارتیں دیکھنے کے بعد میں اقرار کرتا ہوں کہ جماعت احمدیہ پر ایسا الزام لگانا سراسر ظلم ہے۔

افضل بیگ: میری آنکھیں تو نیند کی وجہ سے بوجھل ہو رہی ہیں۔ اس لئے میرے خیال میں اس گفتگو کو کسی دوسرے وقت کے لئے ملتوی کیا جائے۔

خلیل احمد۔ بجا ہے۔ لیکن اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو اس ضمن میں ایک اور حوالہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو اس مضمون پر روشنی ڈالتا ہے۔

حمید اللہ : ہاں ہاں ضرور سُنائیے۔ افضل صاحب تو ہر وقت اونگھتے ہی رہتے ہیں۔

خلیل احمد : کسی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی مذکورہ بالا ڈائری کے الفاظ پر سوال کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کے متعلق استفسار کیا تو حضور نے جو اس کا جواب عطا فرمایا وہ الفضل 18 ستمبر 1934ء میں ''رسول کریمؐ کا تمام انسانوں سے بلند درجہ'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

''آپ کا خط پہنچا۔ جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں۔ آپ نے الفضل کی ڈائری پر اچھی طرح غور نہیں کیا۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی درجہ حاصل ہے۔ اس پر اور بھی درجات ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی ایک مقام پر ختم ہونے والی تسلیم کرنی پڑے گی اور دوسری طرف یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی محدود ہیں۔ غیر محدود نہیں اور اس طرح پہلے عقیدہ کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان ہے اور دوسرے میں اللہ تعالیٰ کی کسر شان۔

یہ نتیجہ نکالنا کہ اس دعویٰ سے ثابت ہوا۔ کہ انسان کے لئے کوئی ایسا درجہ بھی باقی ہے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں پہنچے۔ اور نہ کوئی اور پہنچا اور نہ پہنچے گا۔ درست نہیں۔ بلکہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان غیر محدود ہے۔ نیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت درجے پائے ہیں اور ابھی بہت پانے باقی ہیں اور مدارج کے پانے میں آپؐ منفرد ہیں اور ہمیشہ منفرد رہیں گے۔ یہ میرا عقیدہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کے آگے پھر الوہیت کا ہی درجہ ہے۔ میرا عقیدہ تو ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کے آگے اور درجہ ہے اور اسی طرح کروڑوں درجات ہیں۔ مگر باوجود ان تمام ترقیات کے آپؐ الوہیت کے دامن تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت نہیں۔ بلکہ دشمنی ہوگی۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کے بالمقابل کھڑا کرنا چاہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقام عزّت اسی میں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں عاجزانہ مقام پر کھڑے ہوں۔ جب ادنیٰ سے ادنیٰ مومن کی

ترقیات غیر محدود ہیں تو پھر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محدود کس طرح ہوسکتی ہیں۔ اور اگر آپؐ کی ترقیات بھی غیر محدود ہیں تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ آپؐ جس مقام پر آج سے تیرہ سو سال پہلے کھڑے ہیں۔ ہم تو موت کی ضرورت ہی یہی سمجھتے ہیں کہ انسان کے لئے ایسے مدارج مقرر ہیں جن کو اس دنیا میں حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر وہ مدارج اس دنیا میں مل جائیں تو پھر ایمان قابل انعام باقی نہیں رہتا۔ نیز اگر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام ایسے مقامات کو حاصل کر چکے تھے۔ جن پر کوئی انسان کسی وقت پہنچ سکتا تھا۔ تو پھر آپؐ کے لئے موت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جو کچھ لوگوں نے اگلے جہان میں حاصل کرنا ہے۔ آپؐ نے وہ اسی دنیا میں حاصل کر لیا تھا۔ پھر بلاوجہ موت کا پیالہ آپؐ کو پلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایک اور نقطہ نگاہ سے بھی اس سوال کو دیکھنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ جس درجہ کو انسان جبراً حاصل کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے انعام کا موجب نہیں ہوتا۔ انعام کا موجب وہی مقام ہے جس کو انسان نے اپنی قربانی اور ایثار سے فضل الٰہی کو جذب کرنے سے حاصل کیا ہو۔ اگر دوسرے بنی نوع انسان کے لئے خدا کی تقدیر کے ماتحت اس مقام کو حاصل کرنا نہیں ہے جس پر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کھڑے ہیں۔ تو پھر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وجود ملائکہ کی طرز کا رہ جاتا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اپنی طرف سے نہ کرتے تھے۔ بلکہ خدا کے جبر کے ماتحت کرتے تھے۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے۔ تو ماننا پڑے گا کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حسین ضرور تھے۔ محسن نہ تھے۔ چاند خوبصورت ہے۔ مگر محسن نہیں۔ جب تک ہم یہ تسلیم نہ کریں کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے ایثار اور قربانی اور اپنے عشق اور اپنی محبّت سے وہ مقام حاصل کیا۔ جو آپؐ کو حاصل تھا۔ اس وقت تک ہم آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اپنی ذاتی خوبی اور بنی نوع انسان پر اپنی ذاتی برتری تسلیم نہیں کر سکتے اور جب ہم یہ تسلیم کریں کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی ذاتی خوبی اور ذاتی برتری سے باقی بنی نوع انسان پر فضیلت حاصل کی۔ تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس مقام پر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تھے۔ اور جس مقام پر آج ہیں۔ ان کے حصوں کا امکان ہر انسان کے لئے

تھا۔مگر دوسرے انسانوں نے وہ محبّت اور وہ ایثار اور وہ قربانی پیدا نہ کی جو رسول کریم ﷺ نے پیدا کی تھی۔اس لئے وہ اس مقام فضیلت سے محروم رہے۔جو آنحضرت ﷺ کو حاصل تھا اور محروم رہیں گے۔اس مقام سے جو آپؐ کو آئندہ حاصل ہوتا رہے گا۔

حمیداللہ: بخدا۔ مجھے آج ہی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے اصل رتبہ کا پتہ چلا ہے اور وہ بھی امام جماعت احمدیہ کے کلمات سے فائدہ اٹھا کر۔ کتنے عقل کے کورے ہیں وہ لوگ جو اصل مضمون کو نظر انداز کر کے غلط نتیجہ نکال کر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد یہ مجلس برخاست ہوئی اور تمام دوست اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

چوتھا باب

اگلے دن جب فارغ وقت میں سب دوست اکٹھے ہوئے تو حمیداللہ نے کہا کہ انور صاحب آپ کے تمام اعتراضات حل ہو چکے ہیں۔ اور ''داستانِ مرزا'' کی اندھیری کوٹھڑی کا کوئی کونہ بھی ایسا نہیں رہا جس میں آپ چھُپ سکیں۔ کیونکہ خلیل احمد صاحب نے جابجا صداقت اور ہدایت کے لیمپ روشن کر دیئے ہیں۔ اب تو آپ کو ضرور احمدیت قبول کرنا پڑے گی۔

محمد انور: مَیں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جناب مرزا صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام اور دیگر انبیا کی ہرگز ہتک نہیں کی اور مَیں یہ بھی مانتا ہوں کہ آپؑ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کی فضیلت کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس آپؑ نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم ہونے کی حیثیت میں پیش کیا ہے اور یہی جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے مگر پھر بھی میں جماعت احمدیہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ میرے نزدیک کسی مصلح اور کسی نبی یا امام کی ضرورت نہیں۔ جبکہ ہمارے پاس قرآنِ مجید ایسی مکمل کتاب موجود ہے اور ہمارے علماء ہر وقت دین کے کاموں میں مصروف ہیں۔

خلیل احمد: آپ لوگوں کا ایمان ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت مسیح اور مہدی علیہما السلام نازل ہوں گے تو کیا اُن کا آنا بغیر ضرورت کے ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی ہے کہ میری امّت کے بِگڑ جانے کے وقت خداتعالیٰ ہر صدی کے سر پر مجدّد مبعوث فرماتا رہے گا۔ اور جب میری امت میں فساد بڑھ جائے گا اور ان کے اندر وہی خصلتیں پیدا ہو جائیں گی جو گذشتہ قوموں میں پیدا ہوتی رہیں اور خدا ان کی طرف انبیاء مبعوث فرماتا رہا۔ تو میری امت میں بھی خداتعالیٰ ایک نبی کو مبعوث فرمائے گا جو آکر دوبارہ تجدید دین کرے گا۔

پس آنحضرت ﷺ کی اس پیشگوئی۔ یوشك ان یّاتی علی الناس زمانٌ لایبقٰی من الاسلام الا اسمه ولایبقٰی منَ القراٰن الا رسمهٗ مساجدهم عامرة وهی خراب من الهدیٰ علماءهم شرّ من تحت ادیم السّماء من عندهم تخرج الفتن وفیهم تعُود (مشکوٰۃ۔مطبوعہ مجیدی کانپور صفحہ 38) کے مطابق مسلمانوں کے چھوٹے اور بڑے بِگڑ گئے اور انہوں نے اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنا چھوڑ دیا۔ قرآنِ کریم کی تعلیم پر عمل کرنا ان کے لئے دوبھر ہوگیا۔ اہل اسلام مذہب کو چھوڑ کر خدا سے دُور ہوگئے۔ ہاں وہی مسلمان جن کو خدا نے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا خطاب بخشا۔اور تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا فرض ان کے سپرد کیا انہوں نے اپنا دم منزل کے درمیان توڑ دیا۔

پس ضرورت تھی کہ عَسىٰ رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ کے وعدہ کے مطابق خدا کی طرف سے اسی زمانہ میں کسی مامور اور مصلح کو اسی امت میں سے مبعوث کیا جاتا۔تاکہ خدا کا وہ جری دوبارہ شریعتِ محمدیہ کو قائم کرکے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا دلفریب نظارہ دنیا کے سامنے پیش کرے۔

جماعت احمدیہ کا ایمان اور دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کی بحر ضلالت میں پھنسی ہوئی کشتی کو سلامتی کے ساحل کے ساتھ لگانے والا ناخدا اور آخری زمانے کا موعود نبی اور مصلح سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جو عین وقت پر ظاہر ہوئے اور امّت محمدیہ کی دستگیری فرمائی۔

محمد انور: اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ واقعی مسلمانوں کے اندر تشتّت اور پراگندگی پیدا ہو چکی ہے۔جس کی اصلاح کے لئے کسی مصلح کی ضرورت ہو؟

خلیل احمد: خود مسلمانوں کا اقرار اس کا ثبوت ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ وہ بُری حالت جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ اس کے آثار من کل الوجوہ اس زمانہ میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اور اہلِ اسلام ہر لحہ پستی اور تنزل کی طرف گرتے جا رہے ہیں۔مسلمان زعماء نے اپنی قلم سے اس اَمر کا اظہار اور اپنی زبان سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ؎

ہم مسلماں ہیں مگر ہم میں مسلمانی نہیں

اس اقرار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں کسی مصلح کی ضرورت تھی۔ جو دوبارہ اسلام کی سطوت کو دنیا پر قائم کرے ورنہ مسلمانوں کی حالت کچھ ایسی بگڑ چکی ہے کہ بنائے نہیں بنتی۔ جب تک آسمانی ہاتھ ان کو نہ اٹھائے ان کی حالت سدھرنے کی نہیں۔

حمیداللہ: یہ بات ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی ہے۔ چند دن ہوئے مَیں مسدّس حالی کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس نے بھی یہی رونا رویا ہے مسلمانوں کی غفلت اور لاپرواہی کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے ؎

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے
بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
کنارا ہے دُور اور طوفاں بپا ہے
گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کِشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کِشتی
گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
چپ و راست سے یہ صدا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

موجودہ مسلمانوں کی حالت کے متعلق اس نے لکھا ہے ع

بہائم کی اور ان کی حالت ہے یکساں

وہ مسلمان جو کسی زمانہ میں اخلاق فاضلہ کا مجسمہ تھے۔ہم جو اپنے آپ کو انہی کی اولاد سمجھتے ہیں۔ ہماری یہ حالت ہے۔

وگرنہ ہماری رگوں میں لہو میں
ہمارے ارادوں میں اور جستجو میں
دلوں میں زبانوں میں اور گفتگو میں
طبیعت میں فطرت میں عادت میں خو میں
نہیں کوئی ذرّہ نجابت کا باقی
اگر ہو کسِی میں تو ہے اتفاقی
ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہے
کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہے
لگا نامِ آباء کو ہم سے گہن ہے
ہمارا قدم ننگِ اہلِ وطن ہے
بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے

(حالی)

ہمارے رہنماؤں کی یہ حالت ہے کہ تکفیر میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔حرام ہے جو آج تک کسی کافر کو مسلمان بنایا ہو۔لیکن مسلمان کو کافر بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔مگر اپنے لئے سب راہیں کھلی ہیں جو چاہیں شوق سے کریں۔کوئی پوچھنے والا تھوڑا ہی ہے۔

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رُتبہ نبی سے بڑھائیں

مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اور ان ناخداؤں کی مہربانی سے ہم یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہے
پڑا جس سے جو کھوں میں چھوٹا بڑا ہے
نکلنے کا رستہ نہ بچنے کی جا ہے
کوئی اُن میں سوتا کوئی جاگتا ہے
جو سوتے ہیں وہ مستِ خوابِ گراں ہیں
جو بیدار ہیں ان پر خندہ زناں ہیں

(حالی)

اور بھائی سچ پوچھتے ہو تو یقین جانو کہ

مریض ایسے مایوس دنیا میں کم ہیں
بگڑ کر کبھی جو نہ سنبھلیں وہ ہم ہیں

خلیل احمد: (انور کو مخاطب کرتے ہوئے) غالباً آپ حمیداللہ صاحب کی اس درد بھری تقریر سے اپنی حالت کو سمجھ چکے ہوں گے۔ اور پھر آپ لوگوں نے حالی کی وہ مناجات تو پڑھی ہوں گی جس میں ملّتِ اسلامیہ کی خستہ حالی پر مرثیہ پڑھا گیا ہے۔ ذرا اس کے بھی چند اشعار سُن لیں۔ وہ لکھتے ہیں:

وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے
جس دین نے غیروں کے تھے دل آ کے ملائے
اس دین میں اب بھائی خود بھائی سے جدا ہے
جس قصر کا تھا سر بفلک گنبدِ اقبال
ادبار کی اب گونج رہی اس میں صدا ہے
وہ قوم کہ مالک تھی علوم اور حکم کی
اب علم کا واں نام نہ حکمت کا پتا ہے
بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے
فریاد اے کشتیٔ امت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

حمیداللہ: کون سا وہ دل ہے جو مسلمانوں کی المناک حالت کو دیکھ کر درد سے بھر نہ آئے۔ اور کون سی وہ آنکھ ہے جو اس حالت پر بھی تاسّف کے آنسو نہ بہائے۔ اس وقت بھی اگر دوا سے نفرت کر کے اور طبیبوں سے جی چرا کر ہم لوگ اپنی مرض کو بڑھائیں تو سوائے ہلاکت کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔

خلیل احمد: حالی کے بعد ڈاکٹر اقبال بھی شیرازۂ امّت کے بکھر جانے اور مسلمانوں کے پامال و رسوا ہونے کا رونا روتے ہوئے اس جہان سے گذر گئے۔ ان کے دیوان میں جابجا مسلمانوں کی حالت پر ماتم کیا گیا ہے۔ چند ایک اشعار سُن لیں۔ لکھتے ہیں ۔

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر
بُت صنم خانوں میں کہتے ہیں، مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اونٹوں کے حُدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کُفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں
واعظِ قوم کی وہ پُختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شُعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں، رُوحِ بِلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

مسلمان عبادات سے غافل ہوگئے اور اگر کسی کو عادت ہے تو ان کی عبادتیں ریا سے بڑھ کر کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا اچھا کہا ہے۔

سطوَتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں
مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اسی کی طرف حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ ان کی مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی اور روحانی لحاظ سے ویران۔

مسلمانوں کا دین ایک چھلکا ہے جس میں مغز نہیں۔ ایک جسم ہے جس میں روح نہیں۔ ایک پیالہ ہے جو شرابِ ہدایت سے خالی ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

سوچ تو دل میں لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے
انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہبا ترا

اسلام جس نے مسلمانوں کو رفعت بخشی اور پستی سے اٹھا کر اقبال تک پہنچایا۔ ان لوگوں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ اپنی بداعمالی سے اس پاک نام کو دھبہ لگایا ؎

اور ہے تیرا شِعار، آئینِ ملّت اور ہے
زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا

(اقبال)

حمیداللہ: فی الواقعہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مَیں بھی اکثر سوچا کرتا ہوں کہ ؎

اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں

خلیل احمد: اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ؎

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر
اُمّتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں
بُت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بُت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں

میرے دوست مسلمانوں نے آئینِ وفاداری کو ترک کر دیا۔ اس لئے آج تم لوگوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ ؎

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو
ہو نِکونام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے
کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کِس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار
ہوگئی کِس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار

حمیداللہ: درست ہے۔ ہم مردہ ہو چکے ہیں کیونکہ ؏

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں

خلیل احمد: ؏

کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

حمیداللہ: آج ہماری غفلت اور لاپرواہی کا یہ عالم ہے کہ ؏

ہر کوئی مستِ مئے ذوق تن آسانی ہے

خلیل احمد: ؏

تم مسلمان ہو یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

حمیداللہ: آہ ہماری یہ حالت ہے کہ ؎

حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے

خلیل احمد: تو پھر تم خود ہی سوچو کہ ؎

تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

حمیداللہ: ہم ان مسلمانوں کی اولاد کہلاتے ہیں۔ جن کے آگے دنیا سر جھکاتی تھی اور ان کی یہ شان تھی کہ ؎

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر

خلیل احمد: ؎

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

حمیداللہ: مجھے اقرار ہے کہ ۔

وضع میں ''ہم'' ہیں نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود

''ہم'' مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

خلیل احمد: یہ تو میں پوچھتا ہوں کہ ؎

یوں تو سیّد بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

حمیداللہ: آہ! کس قدر افسوس ہے ۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

خلیل احمد: ۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا

حمیداللہ: کیا کریں اب تو ۔

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی، خونِ جگر پینے میں

خلیل احمد:

منزل کی تلاش میں مایوس ہو کر گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ جانا مردانگی سے بعید ہے۔ ہر ایک بہادر نوجوان کو اس نصیحت پر عمل کرنا چاہیے کہ ۔

نوارا تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گِراں بینی

گو آپ لوگ رستے سے بھٹک چکے ہیں۔ مگر ہمت سے کام لے کر اس کی تلاش کو جاری رکھیے۔ بے شک آپ لوگوں کے قویٰ مضمحل ہو چکے ہیں مگر زائل نہیں ہوئے۔ جوہر مٹ گئے ہیں مگر جِلا سے پھر نمودار ہو سکتے ہیں۔ تمہارے خاکستر میں ابھی کچھ چنگاریاں باقی ہیں۔ جو دبی ہوئی ہیں۔ اور ہوا دینے سے سلگ سکتی ہیں۔ اس لئے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم چاہو تو پھر اس زندگی کی خزاں کو بہار سے بدل سکتے ہو۔

حمیداللہ: ہمارے اُجڑے ہوئے گلشن میں بہار کب آئے گی۔ یہ کسے معلوم ہے۔ فی الحال تو یہ بھیانک نظارہ دیکھ کر سر کے بال نوچنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

خلیل احمد: ابھی تو آپ نے یہ نظارہ دیکھا ہی نہیں۔ ذرا اپنی خستہ حالی کی مکمل داستان تو سُن لیجئے۔ پھر جی بھر کر ماتم کر لینا۔ سُنیے آپ لوگوں کے مولانا ابوالکلام آزاد مسلمانوں کی خستہ حالی کا ذکر کن الفاظ میں کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''یہودیوں کی مغضوبیّت، نصاریٰ کی ضلالت، مشرکین کی بت پرستی، آئمہ مضلّین کی کثرت، دجاجلہ، فتن و دعاۃ بدعت کا احاطہ، اقتداء بغیر سنت اہتدا بغیر ھدیٰ الانبیا، تفرق و تمذہب مثلِ یہود اور

غلو واطراء مثل نصاریٰ، فتنۂ شبہاتِ یونان اور فتنۂ شہوات عجم، فتنۂ تماثیل، عبدۃ الاصنام اور فتنۂ قبور عاکفینِ کنائس، ان میں سے کوئی نحوست اور ہلاکی ایسی نہیں ہے جو مسلمانوں پر نہ چھا چکی ہو۔ اور کوئی گمراہی نہیں جو اپنے کامل سے کامل اور شدید سے شدید درجہ تک اس امّت میں بھی نہ پھیل چکی ہو۔ اہل کتاب نے گمراہی کے جتنے قدم اٹھائے تھے گِن گِن کر مسلمانوں نے بھی وہ سب اٹھائے۔ حتّٰی کہ **لو دخلوا جحر ضبّ لدخلتموہ** کا وقت بھی گذر چکا اور آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں...... ہماری جانیں اور ہماری روحیں اس صادق ومصدوق پر قربان کہ واقعی اور سچ مچ مسلمان مشرکوں سے ملحق ہو گئے اور دین توحید کا دعویٰ کرنے والوں نے بُت پرستی کی ساری ادائیں اور چالیں اختیار کرلیں۔ اور جس لات وعزیٰ کی پوجا سے دنیا کو نجات دلائی گئی تھی، اس کی پوجا پھر سے شروع ہوگئی...... ہم اپنی آنکھوں سے ان فتنوں کو **کقطعِ اللّیل المظلم** دیکھ رہے ہیں۔ فی الحقیقت ایسا ہی ہو رہا ہے کہ رات کو ایک انسان ایمان لے کر سوتا ہے اور صبح نہیں ہوتی مگر ایمان کھو چکتا ہے...... ہماری ہزار جانیں اور لاکھوں روحیں اس زبانِ حق پر قربان جس نے فرمایا تھا۔ **بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ کَثِیْرٌ** تم اس وقت تعداد میں کم نہ ہو گے۔ لیکن **لیُقذفنّ فی قلوبکم الوھن** تمہارے دلوں میں وھن پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے کوڑے کرکٹ کی طرح بہہ جاؤ گے۔ پھر وھن کے معنے بتلائے **حُب الدّنیا و کراھۃ الموت**۔ دنیا کی محبّت اور عزت کی موت کو بُرا جانا اور اس سے بھاگنا۔ اس ایک لفظ میں قوموں کی موت اور حیات کا سارا بھید بتلا دیا اور یقیناً یہی وقت تھا کہ **بطن الارض خیرلّکم من ظھرھا**۔ تمہارے لئے زمین کے اوپر سے اس کا اندر بہتر ہو گا یعنی زمین کے اوپر تمہارے لیے عزّت اور سعادت باقی نہ رہے گی۔ اس لئے مر جانا جینے سے بہتر ہو گا۔ تو یہ بھی تو ہو چکا اور اس طرح یقینی ہو چکا کہ اس سے زیادہ یقین نہ تو سورج کی روشنی میں ہے اور نہ چاند کے وجود میں۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ زمین کے کیڑوں کے لئے زندگی میں عیش ہے اور جنگل

کے درندوں کے لئے جینے میں راحت۔ مگر ایک مسلمان کے لئے اب زمین کی پیٹھ پر کوئی خوشی باقی نہ رہی۔ الّا یہ کہ اپنی ذلتوں اور رسوائیوں کا بوجھ اٹھائے اس کے نیچے چلا جائے۔

نہ گلم، نہ برگِ سبزم، نہ درختِ سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقاں، بچہ کار کشت مارا؟

پھر کس قدر عقل سے کورے اور بصیرت سے محروم ہیں وہ بندگانِ غفلت جو ان روایتوں کو پڑھ پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ کسی ایسے آنے والے زمانہ کی نسبت ہیں۔ جو قیامت سے چند برس پہلے دنیا پر آئے گا اور ابھی اس کی آمد کا ہم کو صدیوں انتظار نہیں کرنا چاہیے...... مسلمانوں کی کوئی بستی اور آبادی نہیں جو ان تمام پیشن گوئیوں کے ظہور و نمود کا مجسم نمونہ نہ ہو۔ اور پرستش ماسوٰی اللہ کی کوئی قسم ایسی نہیں جو پیٹ بھر کر انہوں نے نہ کرلی ہو اور نہ کر رہے ہوں۔ نفس کو وہ پُوج چکے، وہم ورائے کی وہ پرستش کر چکے، چاندی سونے کو انہوں نے پوجا، انسانوں کی چوکھٹوں کی دھول انہوں نے چاٹی، ہر پیشوا کو **ارباباً من دون اللہ** انہوں نے بنایا اور ہر بڑے انسان کے لئے ان کے دل اور پیشانی نے سجدے کئے۔ وہ شرک بھی جی بھر کر کر چکے جو **اخفیٰ من دبدیب النمل** تھا اور کھلا کھلا شرک بھی برسرِ عام ہو چکا۔ حتّٰی کہ کفار و اعداء حق کی بھی پُوجا ہر طرف ہوئی۔ بادشاہوں اور حکومتوں کے طواغیت بھی ہر جگہ پُوجے گئے اور مٹی اور پتھر کی پوجا کی منزل بھی کب کی گزر چکی۔ **فو اللہ انھم اتّبعوا سنن من کان قبلھم وسلکوا سبیلھم حذو القذۃ بالقذۃ والنّعل بالنعل**۔ (تذکرہ از مولانا ابوالکلام آزاد صفحہ 268-263)

حمید اللہ: ایسے حوالہ جات پیش کر کے آپ ہمارے سینے کے زخموں کے ساتھ کھیل رہے ہیں اور بجائے مرہم لگانے کے نمک پاشی کر رہے ہیں۔

خلیل احمد: مَیں آپ کو تکلیف دینے کے لئے نہیں۔ بلکہ آپ کے دکھ کو دُور کرنے کے لئے آپ کے زخم دھو رہا ہوں۔ تا کہ وہ مرہم کا اثر قبول کر سکے اور انور صاحب کا زخم چونکہ گہرا ہے۔ اس

لئے جب تک یہ پیٹ بھر کر حوالے نہ سُن لیں، ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ پس آپ ذرا جگر تھام کر چند ایک حوالہ جات اور سُن لیں اور مسلمانوں کے تسفّل پر آنسو بہائیں۔

1۔مولانا محمد شفیع صاحب دیو بند اپنے رسالہ ختم النبوۃ صفحہ 10 پر لکھتے ہیں:

''آج ہم گلزار محمدی کی بربادی اور شیرازۂ اسلام کا بکھرنا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں''۔

2۔اخبار تنظیم اہلحدیث 14 مارچ 1936ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''باری تعالیٰ۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ مسلمان کیوں نصاریٰ کے غلام بے دام ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امّت نے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت سے انحراف کیا۔ تیرے اور تیرے رسول کے احکام سے سرتابی کی۔ تیری باندھی ہوئی حدوں کو توڑا اور صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر گمراہ ہو گئے۔ اس کی پاداش میں تو نے غیر مسلموں کو ان پر مسلّط کر دیا اور تو ہی جانتا ہے کہ عاقبت میں دوزخ کے عذاب کے لئے اور کیا سزا مقرّر کی ہوئی ہے۔ یہ ہے انسانی فرومائگی کا انجام۔ آہ اے مسلم نادان ؎

زمین کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

3۔اخبار اہلحدیث 25 ستمبر 31ء صفحہ 11 پر لکھتا ہے:

''نام کے بنی اسرائیل تو آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور صفحۂ دنیا سے نام غلط کی طرح مِٹ گئے۔ مگر آہ کام کے بنی اسرائیل اب بھی موجود اور ترقی پذیر ہیں ہم نے سجادہ نشینی کا فخر حاصل کیا اور عنان بنی اسرائیل اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور اپنا گھوڑا گھوڑ دوڑ میں بنی اسرائیل سے بھی آگے بڑھا دیا۔ صادق و مصدوق فدا ابی وامّی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل ہماری اس شہسواری اور گوئے سبقت کی پیش بری کی ان الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی کہ یقیناً میری امّت سے بھی لوگ ہو بہو بنی اسرائیل کی طرح افعال بد میں منہمک ہوں گے۔ حتّٰی کہ ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے زناء کیا ہو گا تو میری امت میں بھی ماں سے زناء کرنے والے افراد موجود ہوں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج ہم مدعی اہل حدیث بھی حذو النّعل بالنّعل بنی اسرائیل کی طرح ہر معاملہ میں مصلحت۔

دوراندیشی۔ضرورت وقت وپالیسی۔ زرپرستی۔ کاسہ لیسی۔خوشامدو چاپلوسی وغیرہ کو معبود برحق سمجھ کر اس کی پوجا کرتے ہیں''۔

4۔اہلحدیث 14مارچ 1930ء صفحہ 11 پر لکھا ہے:

''آہ ہم کیا ہیں۔ہم وہ ہیں کہ ہمارے قویٰ سلب ہوچکے۔ بہادری عنقا ہوچکی۔ اعضاء کمزور ہوچکے۔ حقانی تڑپ ہمارے دلوں سے معدوم ہوچکی۔ بلکہ مَیں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ تمام اعضاء مرچکے۔ فقط ایک دہن اور اس میں زبان باقی ہے''۔

5۔مولوی ثناءاللہ صاحب تفسیر ثنائی جلد اوّل صفحہ 98 پر لکھتے ہیں:

''وہی عقائد باطلہ جن کی تغلیط کے لئے خدا نے ہزارہا انبیاء بھیجے تھے۔ان نام کے مسلمانوں نے اختیار کرلئے ہیں''۔

6۔اخبار مدینہ 21 ستمبر 26ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''آجکل مسلمانوں کی حالت کیا ہے۔اس کا سطحی خاکہ مختصر یہ ہے کہ وہ امور جن کا مذہب سے دور کا تعلق نہیں۔ان پر جان دینا شہادت سمجھتے ہیں۔ جہاں اسلام کی حقیقت مٹی جارہی ہو۔اس کے متعلق کوئی زبان تک نہیں ہلاتا۔اس وقت مسلمان جس قدر تعلیم نبویؐ اور اخلاق حمیدہ اور اُسوۂ حسنہ سے بے بہرہ ہیں اور بدعت اور شرک وکفرونفاق و مظالم ومعاصی میں گرفتار ہیں۔اس کا بیان کرنا ضروری نہیں۔ شرّوفساد۔ جھوٹ وفریب۔ دغابازی۔ مکّاری۔حرامکاری۔غرضیکہ کون سی بُرائی ہے جو ہم میں نہیں ہے۔ پھر طُرفہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو ایسی ذات سے وابستہ کریں۔جس کے ہم پیرو نہیں ہیں۔ہم کو دعوےٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن ہمارے کام مسلمانوں کے نہیں''۔

حمیداللہ: کہو انور۔ کچھ اور سنو گے۔

بس ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

اگر آپ میرے مشورے پر عمل کریں۔تو اسی پر اکتفا کیجئے۔زیادہ پردہ دری کرانے سے کیا حاصل؟

محمد انور: اگر مسلمان بے دینی۔ بدحالی اور گمراہی وغیرہ میں مبتلا ہیں تو کیا ہوا۔ ہمارے علماء جو دین کے ستون ہیں۔ ان کی موجودگی میں ہمیں کیا ڈر ہے۔ وہ ہماری اصلاح کر سکتے ہیں۔

خلیل احمد: ؎

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک رہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میَں

میرے دوست یہ آپ کی بھول ہے۔جس چیز کو آپ پانی سمجھ بیٹھے ہیں۔ وہ پانی نہیں۔ تپتا ہوا صحرا ہے جو آپ کو جھلس دے گا۔ اندھیرے میں آپ جس چیز کو ملائم سمجھ کر اس پر ہاتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی ملائمت پر نہ جایئے۔ وہ ایک زہریلا سانپ ہے جو تمہیں ڈس کر تمہارے اندر ایسا زہر چھوڑے گا۔جس کا علاج مشکل ہے۔ افسوس تم لنگڑے گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑ دوڑ کے میدان میں داخل ہونا چاہتے ہو۔ انور! ان امیدوں کو چھوڑ دو۔ وہی علماء جو تمہاری بدقسمتی کا پیش خیمہ ہیں۔ تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔جس زہر کو استعمال کرنے سے تم قریب المرگ ہو چکے ہو۔ نادانی کی وجہ سے اسی زہر کو تریاق سمجھ کر استعمال نہ کرو۔ شاید تمہیں شبہ ہو کہ میَں تمہارا خیرخواہ نہیں اور کسی عداوت کی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہوں۔ مگر تمہارا یہ شبہ درست نہیں۔ کیونکہ مسلمان خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری ذلت۔ بدحالی۔ بے دینی اور گمراہی کی اصل وجہ یہی علماء کہلانے والے لوگ ہیں۔ اگر یقین نہ ہو تو لیجئے۔ میَں آپ کو چند ایک اقتباسات سُنائے دیتا ہوں۔

مولانا الطاف حسین حالیؔ ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ؎

بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر
نہیں ذات والا میں کچھ جن کے جوہر
بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر
کہ تھے ان کے اسلاف مقبول داور

کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے

قوم کے راہنماؤں اور لیکچراروں کا یوں نقشہ کھینچا ہے: ؎

بڑھے جس سے نفرت وہ تحریر کرنی
جگر جس سے شق ہو وہ تقریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی
مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ
کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے
تو گردن پہ بارِ گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے
تو قطعی خطاب اہلِ دوزخ کا پائے
اگر اعتراض ان کی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے
کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پُھلاتے
کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں مُنہ پہ لاتے
کبھی خوگ اور سَگ ہیں اُس کو بناتے
کبھی مارنے کو عصاء ہیں اٹھاتے
ستوں چشمِ بد دُور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خُلقِ رسولؐ امیں کے

عالموں اور واعظوں کی بدراہی کا ذکر کرتے ہوئے عام مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں: ؎

نہ ٹھیک ان کی ہرگز کوئی بات سمجھو
یہ دن کو کہیں دن تو تم رات سمجھو

2۔مولانا ابوالکلام آزادؔ نے علماء زمانہ کا ان الفاظ میں نقشہ پیش کیا ہے:

''سانپ اور بِچھّو ایک سوراخ میں جمع ہوجائیں گے لیکن علماء دنیا پرست کبھی ایک جا اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ کتوں کا مجمع ویسے تو خاموش رہتا ہے لیکن ادھر قصائی نے ہڈی پھینکی اور ادھر ان کے پنجے تیز اور دانت زہر آلود ہوگئے۔ یہی حال ان سگانِ دنیا کا ہے۔ ساری باتوں میں متفق ہو جاسکتے ہیں لیکن دنیا کی ہڈی جہاں سڑ رہی ہو، وہاں پہنچ کر اپنے پنجوں اور دانتوں پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ ان کا سرمایۂ ناز علم حق نہیں ہے جو تفرقہ مٹاتا اور اتباع سُبل متفرقہ کی جگہ ایک ہی صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے، بلکہ یکسر علم جدل وخلاف ہے۔ نفس پرستی اس کی کثافت کو خمیر دیتی اور دنیا طلبی کی آگ اس کی ناپاکی کے بخارات کو اور زیادہ تیز کرتی رہتی ہے۔ فسّاق و فجّار خرابات میں بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کی تندرستی کا جامِ صحت پیتے ہیں اور چور اور ڈاکو مل جُل کر رہزنی کرتے ہیں، مگر یہ گروہ خدا کی مسجد اور زہدوعبادت کے صوامع و خانقاہ میں بیٹھ کر بھی متحد و یک دل نہیں ہوسکتا اور ہمیشہ ایک دوسرے کو درندوں کی طرح چیرتا پھاڑتا اور پنجہ مارتا رہتا ہے۔ میکدوں میں محبّت کے ترانے اور پیار و الفت کی باتیں سُننے میں آجاتی ہیں۔ مگر عین محراب مسجد کے نیچے پیشوائی وامامت کے لئے ان میں سے ہر ہاتھ دوسرے کی گردن پر بڑھتا اور خونخواری کی ہر آنکھ دوسرے بھائی کے خون پر لگی ہوتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے احبار یہود سے فرمایا تھا:

''تم نے داؤد کے گھر کو ڈاکوؤں کا بھٹ بنا دیا ہے''۔ ڈاکوؤں کے بھٹ کا حال تو نہیں معلوم۔ لیکن ہم نے مسجدوں کے صحن میں بھیڑیوں کو ایک دوسرے پر غرّاتے اور خون آشام دانت مارتے دیکھا ہے۔ (تذکرہ از مولانا ابوالکلام آزاد صفحہ 90-89)

اسی طرح تذکرہ صفحہ 57 تا 60 پر لکھتے ہیں:

کہ نوع انسانی کی کوئی بدتر سے بدتر اور گمراہ سے گمراہ قسم بھی اس سے زیادہ دنیا کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ جتنا علماء کے گروہ نے پہنچایا اور جنگل کے ڈاکو اور کمین گاہوں کے راہزن اس سے زیادہ جمعیّت بشری کے لئے مہلک اور مخدوش ثابت نہیں ہو سکتے جتنا یہ علماء ہیں۔

پھر انہی صفحات پر لکھتے ہیں کہ اس امت کے ''علماء سوء'' ''**هم يهود هٰذه الامة**''۔ کہ یہ علماء اس امت کے یہود ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:

''ان کو بہر حال اپنی گنبد و ستار کی تعمیر کے لئے اینٹیں چاہییں اگرچہ خانۂ شرع کی دیواریں توڑ کر بہم پہنچائی جائیں''۔

پھر لکھتے ہیں:

''یہی حال آج علماء عہد کا بھی ہو رہا ہے اور امر بالمعروف اور قیام حق کے حکم سے اپنے آپ کو بَری کرنے کے لئے بالقاء شیطانی طرح طرح کے حیل و مکائد بنا رکھے ہیں''۔ (تذکرہ از صفحہ 57 تا 60)

پھر تذکرہ صفحہ 33 پر علماء کو ''چوپائے'' قرار دیا۔

صفحہ 21 پر ''دین کے چور'' لکھا۔ پھر صفحہ 23 پر ان کو نجاست پر بیٹھنے والی '' مکھی'' بتایا۔ صفحہ 24 پر ان کو ''دین فروش'' کہا، وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اخبار اہلحدیث 7 جون 1912ء کے پرچہ میں لکھا ہے:

''آجکل کے تھرڈ کلاس کے مولوی جو ذرا ذرا سی بات پر عدم جواز اقتداء کا فتویٰ دے دیا کرتے ہیں۔ سو ان کی بابت بہت عرصہ ہوا فیصلہ ہو چکا ہے۔

هل افسد الناس الا الملوك
و علماء سوءٍ و رهبانها

یعنی بادشاہوں، علماءسوء اور رہبانوں کے سوا اور کسی چیز نے لوگوں کو برباد نہیں کیا''۔

پھر اہلحدیث 17 نومبر 1911ء کے پرچہ میں لکھا ہے:

''افسوس ہے ان مولویوں پر جن کو ہم ہادی۔ رہبر ورثۃ الانبیاء سمجھتے ہیں۔ ان میں یہ نفسانیت یہ شیطنت بھری ہوئی ہے۔ تو پھر شیطان کو کِس لئے بُرا بھلا کہنا چاہیے''۔

غرضیکہ مسلمانوں کے اندر وہ تمام باتیں مفقود ہوگئیں۔ جن کا موجود ہونا ضروری تھا اور وہ مَاقَدَرُوْا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ کے مصداق ٹھہرائے گئے کیونکہ انہوں نے خدا کے متعلق ایسی باتیں کہیں جو شانِ خداوندی کے سراسر منافی تھیں اور اس کی صفات میں دوسروں کو شریک گردانا اور اس کی قدرتوں اور طاقتوں کو محدود سمجھا۔

کوئی قوم اس وقت تک اپنے مذہب کو مکمل ثابت نہیں کرسکتی۔ جب تک کہ ان تین چیزوں پر اس کا ایمان مکمل نہ ہو۔ جیسا کہ ایمان کا حق ہے۔

1۔ خدا۔ 2۔ خدا کے رسول۔ 3۔ اور خدا کی طرف سے نازل کی ہوئی آسمانی کتاب۔

اب مسلمانوں کی موجودہ حالت کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان کے اندر ان تینوں چیزوں پر ایمان نہیں رہا۔

سب سے پہلے خدا کے وجود کو لے لیجئے۔ جس کے متعلق ایک مومن کا یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ذات اور صفات میں یکتا اور لاشریک ہے۔ مگر افسوس موجودہ مسلمانوں کا اعتقاد ایسا نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا کی بعض صفات میں شریک ہیں۔ جس طرح خداتعالیٰ بغیر کھانے پینے اور بغیر دیگر حوائج کے ہمیشہ سے زندہ ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی زمانہ کے اثر سے محفوظ ہیں اور ایک لمبی مدّت سے ایک ہی حالت میں ہیں اور ان کی حالت میں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ کے مصداق ہیں۔ حالانکہ کھانے اور دیگر ضروریات کے بغیر کوئی انسان

زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہی خدا کا قانون ہے۔ اسی طرح کوئی انسان زمانہ کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ بلکہ ہر آن اس کے اندر تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔مگر اس زمانہ کے مسلمان حضرت مسیح کو انسانیت سے بالاتصوّر کرتے ہوئے خداوندی صفات میں ان کو شریک گردانتے ہیں۔

اسی طرح خداتعالیٰ کی ایک صفت خالق ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔مگر افسوس اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے والے لوگوں نے اس صفت میں بھی حضرت مسیح کو خدا کا شریک ٹھہرایا۔ ان کا اعتقاد ہے کہ انہوں نے بھی بعض پرندے پیدا کئے،وغیرہ۔

پھر خدا کی یہ بھی صفت ہے کہ اس کی تمام صفات ازلی اور ابدی ہیں۔یعنی ان میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ مگر آجکل کے مسلمان خدا کی بعض صفات کو معطّل سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا اعتقاد ہے کہ اب خدا کِسی سے کلام نہیں کرتا اور نیز اب خداتعالیٰ دنیا کی ہدایت کے لئے کبھی نبی اور رسول مبعوث نہیں فرماتا۔

قرآنِ مجید سے ثابت ہے کہ جب کبھی دنیا پر گمراہی مسلّط ہوجاتی ہے تو خداتعالیٰ کی رحمت جوش مارتی ہے اور ایک مامور اور ایک مصلح کی صورت میں دنیا پر ظاہر ہو کر بھولے بھٹکوں کی رہنمائی کا موجب بنتی ہے لیکن آج کا مسلمان اس کا قائل نہیں۔ بلکہ اس کے نزدیک حوادث اور مشکلات کی کتنی سخت آندھیاں چلیں۔مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔ چھوٹے اور بڑے عالم اور جاہل۔ امیر اور غریب سب ضلالت کے گڑھے میں گر جائیں۔ روحانیت کا تسلّط دنیا سے اُٹھ جائے۔ اور فضائے عالم پر ظلم اور جور کی اندھیری رات چھا جائے۔ مگر خدا کی اس صفت میں اب حرکت پیدا نہیں ہوسکتی۔ کیا یہ امر اس بات کی دلیل نہیں کہ خدا اب پہلا سا خدا نہیں رہا اور اس کی صفات میں تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔

2۔دوسرے نمبر پر خدا کے انبیا کا وجود ہے۔مگر آجکل کے مسلمانوں کے دلوں میں اس پاک گروہ پر بھی ایمان نہیں رہا۔انہوں نے کسی نبی پر یہ الزام لگا دیا کہ اس نے جھوٹ بولا۔کسی کے متعلق یہ کہا کہ اس نے دوسرے آدمی کی بیوی ناجائز طریقہ سے چھین لی۔کسی پر زنا کا الزام لگایا۔ یہاں تک کہ تمام نبیوں کے

سردار حضرت محمد ﷺ کے متعلق بھی اس قسم کے شرمناک خیالات کا اظہار کیا کہ نعوذ باللہ وہ اپنی پھوپھی زاد بہن پر عاشق ہو گئے۔ اور پھر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ **وغیرھا من الخرافات۔**

پھر ان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ جب دین اسلام کمزور ہو جائے گا تو آنحضرت ﷺ کی قوت قدسیہ اتنی کمزور ہے کہ وہ کسی نبی کو پیدا نہیں کر سکتی۔ تب خدا تعالیٰ باہر سے ایک شخص یعنی مسیح ناصری کو اس امت میں بھیجے گا اور آنحضرت ﷺ کی بگڑی ہوئی امّت کی وہ اصلاح کریں گے۔ کیا اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کا فیضان محدود اور نعوذ باللہ ناقص ہے۔

3۔ تیسرے نمبر پر الہامی کتابوں کا وجود ہے جس کے متعلق مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا کی کتاب جس کے متعلق اس نے خود فرمایا ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں کی جا سکتی۔ اس میں بعض آیات منسوخ ہیں اور اس اعتقاد کے ساتھ انہوں نے خدا تعالیٰ کی اس آخری اور اکمل کتاب کے متعلق غیر یقینی ہونے پر اپنے ہاتھوں سے مہر کر دی۔

پس جب مسلمانوں کا اعتقاد ان تینوں چیزوں کے متعلق اس قدر بودا ہے تو پھر ان کے ہاتھ میں کیا ہے جس کی بنا پر وہ کہہ سکیں کہ ہم اپنے دین پر قائم ہیں اور ہمیں اب کسی مصلح کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح جہاد کا مسئلہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کلمۃ الحق عند سلطان جابر کو جہاد قرار دیا تھا اور **رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الا كبر** فرما کر فیصلہ کر دیا تھا کہ جہاد اکبر تبلیغ حق اور اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے۔ مگر افسوس مسلمانوں نے اس عظیم الشان نیکی کو چھوڑ دیا اور مغز کی بجائے چھلکے پر قناعت کی۔ یعنی انہوں نے تلوار لے کر ہر غیر مسلم کا گلا کاٹنے اور ظلم و تشدّد کا نام جہاد رکھ کر اسلام کو بدنام کیا۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں کو یہ کہنے کی جرأت ہوئی کہ اسلام صلح اور آشتی اور تبلیغ کا مذہب نہیں۔ بلکہ جبر و تشدّد اور تلوار کا مذہب ہے۔

پس یہ تمام امور اس امر کی بیّن دلیل ہیں کہ مسلمان وہ مسلمان نہیں رہے۔ جو آج سے تیرہ سو سال قبل تھے۔ اور ان کے اندر اتنا بگاڑ پیدا ہو چکا ہے کہ کسی مصلح اور مامور کی اشد ضرورت ہے جو ان تمام

بدنما دھبوں کو اسلام کے چہرہ سے دُور کر کے اس کی اصلی شان کو ظاہر کرے کہ جس چہرے پر اس کی منّور کرنیں پڑیں وہ دیوانہ وار اس نور پر فدا ہونے کے لئے آمادہ ہو۔

افضل بیگ: مسلمانوں کی یہ گمراہی۔خستہ حالی۔ پراگندگی مجھے متزلزل کر رہی ہے۔انور صاحب! آپ کو یاد ہو گا۔ رُخصتوں سے واپسی پر ایک پادری نے ریل میں اس قسم کی باتیں پیش کر کے ہمیں کس قدر ذلیل کیا تھا۔اس زندگی سے تو موت بہتر ہے جس میں ہمارے لئے رُسوائی ہی رُسوائی ہے۔

محمد انور: یہ فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ہم لوگ حضرت مسیح اور امام مہدی کی آمد کے منتظر ہیں۔جن کی تشریف آوری پر یہ بگڑی ہوئی صورت پھر سے درست ہو جائے گی۔اور تمام دنیا میں اسلام پھیل جائے گا اور کوئی کافر نہیں رہے گا۔امام مہدی آ کر مشرکین اور کفار سے جنگ کریں گے اور کوئی کافر باقی نہیں رہے گا۔

افضل بیگ: تو گویا آپ نے تسلیم کر لیا کہ اسلام جبر و تشدد کا مذہب ہے اور حضرت مہدی علیہ السلام جبراً لوگوں کو مسلمان بنا لیں گے۔

خلیل احمد: انور صاحب! بے شک آپ مسیح اور مہدی علیہما السلام کی آمد کے منتظر ہیں۔مگر یہ انتظار کی رات کبھی ختم بھی ہو گی یا ساری عمر انتظار میں ہی کٹ جائے گی؟ انتظار کی بھی حد ہوا کرتی ہے۔اس حد سے متجاوز ہو کر انتظار حسرت سے تبدیل ہو جایا کرتا ہے۔

کب سے آپ لوگ انتظار کر رہے ہیں؟ مگر آپ کا مصلح نہ آنا تھا نہ آیا۔روز و شب تم اس کی آمد کے لئے گلے پھاڑ پھاڑ کر پکارتے رہے کہ ؎

آنے والے آ ۔ زمانے کی امامت کے لئے
مضطرب ہیں تیرے شیدائی زیارت کے لئے
اٹھ دِکھا گم کردہ راہوں کو صراطِ مستقیم
اک زمانہ کو ہے میر کارواں کا انتظار

(زمیندار 9 مارچ 25ء)

کبھی تم نے اپنے دل کو یہ کہہ کرتسلی دی:

''ظہور امام الزماں علیہ السلام بھی اسی قیامت کے آثار قریبہ میں سے ایک نمونہ اور نشان ہے۔ جو عنقریب اور اسی سال پورا ہونے والا ہے''۔ (اخبار آگرہ۔ 21 اکتوبر 21ء)

سالوں پر سال گذرنے سے تمہاری مایوسی پر مُہر لگ گئی۔ مگر نامعلوم تمہارا وہ ایک سال کتنی صدیوں کا تھا کہ اب تک پورا ہونے میں نہیں آتا اور تمہارا ''عنقریب'' بعید تر ہوتا جا رہا ہے۔

امیرؔ مینائی بھی یہ کہتے ہیں کہ ؎

ہر طرف ہیں غول خضرِ راہ پوشیدہ امیرؔ
اب ظہور و مہدیٔ آخر زماں نزدیک ہے

(دیوان امیر صفحہ 291)

اسی انتظار میں اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ مگر ان کا منتظر نہ آیا۔ تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ:

''مرکزیت ہی سب سے بڑی نعمت ہے اور اسی کے فقدان نے فرزندانِ توحید کو تباہ و برباد کر رکھا ہے۔ بجلی اپنے مرکز سے تمام شہر کو بقعۂ نور بنا دیتی ہے۔ اگر مسلمانوں میں بھی کوئی مرکزی اقتدار رکھنے والا رہنما پیدا ہوجائے۔ جس کی آواز پر لوگ لبیک کہیں اور دیوانہ وار اس کی طرف دوڑنے لگیں۔ تو سمجھ لیجئے کہ ہمارے نوّے فیصدی مصائب کا اسی دن خاتمہ ہوجائے گا۔ مسلمان تو اس وقت بے سردار کی فوج ہیں۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے ایک مقتدر رہنما کی ضرورت ہے۔ جب تک کوئی بااثر رہنما پیدا نہ ہوگا۔ اس وقت تک ہمارا انتشار وزوال دور نہیں ہوسکتا''۔ (اخبار الامان 3 اگست 1930ء)

اور پھر تم اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس رہنما کو چلّا چلّا کر پکارتے ہو کہ ؎

یا صاحب الزماں بظہورت شتاب کن
عالم ز دست رفت تو پا در رکاب کن

(اخبار وطن۔ مئی 1912ء)

مگر افسوس اس علیم وحکیم خدا پر تمہیں ایمان نہیں۔ جو تمہاری مرضی کو اچھی طرح سمجھتا اور علاج کرنا خوب جانتا ہے۔ اس نے تمہاری مرض کو دور کرنے کا ذریعہ پیدا کر دیا۔ مگر تم جان بوجھ کر لاپرواہی کر رہے ہو۔ آفتاب ہدایت طلوع ہو کر سر پر آ گیا اور تم ابھی غفلت کے لحافوں میں مُنہ چھپائے صبح کا انتظار کر رہے ہو۔ تمہارے دروازے پر خوشگوار اور شیریں پانی کا چشمہ جاری ہے۔ مگر تم شدّت پیاس سے مر رہے ہو۔ تمہارے متعلق دنیا کے حقیقی دردمند نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ ؎

سر پہ اک سورج چمکتا ہے مگر آنکھیں ہیں بند
مرتے ہیں بے آب وہ اور در پہ نہر خوشگوار

تمہیں اپنی بیماری کا اقرار ہے۔ مگر علاج کو قبول نہیں کرتے۔ یہ خدا پر بدظنی ہے کہ تمہیں علاج کی ضرورت ہو مگر وہ اس کے اسباب بروقت مہیا نہ کرے۔ جب مریض سسکیاں لے لے کر دم توڑ چکا۔ تو طبیب کی کیا ضرورت؟ جب شدّتِ پیاس سے کراہنے والا چل بسا تو اب اس کے مُنہ میں آبِ حیات ٹپکانے سے کیا فائدہ۔ ڈاکٹر اقبال نے بالکل بجا کہا کہ ؎

آہ، جب گلشن کی جمعیّت پریشاں ہو چکی
پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا
آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبحِ دَم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

موقع گذر جانے پر مصلح کا آنا بے معنی اور خدا کی حکمت پر الزام ہے۔

ڈاکٹر اقبال کے یہ اشعار میری تصدیق کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ؎

اب نوا پیرا ہے کیا گلشن ہوا برہم ترا
بے محل تیرا ترنم۔ نغمہ بے موسم ترا
تھا جنہیں ذوقِ تماشا وہ تو رُخصت ہو گئے
لے کے اب تو وعدۂ دیدار عام آیا تو کیا

انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اُٹھ گئے
ساقیا محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا

پس میرے دوستو! اگر آپ لوگوں کو اپنی بدحالی کا اقرار ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس کا علاج بھی بروقت اور اسی زمانہ میں ضروری تھا۔

چنانچہ اس کے لئے خدائے حکیم نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدی مسعود علیہ السلام کو مصلح اور ہادی کر کے مبعوث فرمایا۔ اب بھی اگر آپ لوگ آنکھوں پر پٹی باندھ کر بیٹھے رہیں تو آپ کی بدقسمتی۔ آنے والا آچکا۔ اب کسی نئے کی انتظار بے سود ۔

سر کو پیٹو آسماں سے اب کوئی آتا نہیں
عمرِ دنیا سے بھی اب ہے آ گیا ہفتم ہزار

محمد انور: چونکہ کافی دیر ہو چکی ہے۔ اس لئے اب آرام کرنا چاہیے۔

خلیل احمد: آپ کو آرام کی فکر پڑی ہے پہلے اپنی روحانی حالت کو درست کرنے سے تو فارغ ہولیں۔ آپ کو یاد ہوگا آپ نے اس تڑپ کا اظہار کیا تھا کہ ہم سب دوست جس طرح ہم جماعت اور ہم عمر ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبّت رکھتے ہیں۔ کاش! اسی طرح ہمارا مذہب اور دین بھی ایک ہو۔ تاکہ یہ محبّت مکمل ہو جائے۔ اب مَیں آپ کو وعدہ کے پورا کرنے کی طرف توّجہ دلاتا ہوں۔

حمید اللہ: ہاں۔ ہاں۔ اب تو اس کا فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ تاکہ یہ روز روز کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ مَیں تو دوست خلیل احمد صاحب کے دلائل سُننے کے بعد قطعاً اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ احمدیت میں داخل ہونے میں تامّل کروں میرے جذبات کا پیمانہ اچھل رہا ہے اور مَیں اس بات کی شدید تڑپ محسوس کرتا ہوں کہ کسی مصلح ربانی کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو کر اپنی روحانی پیاس کو دُور کروں۔

محمد انور: اس میں کیا شک ہے کہ اب مجھے بھی کسی قسم کا اعتراض نہیں اور مَیں اس کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ موجودہ مسلمانوں کے اندر اسلام کی روح موجود نہیں۔ تاہم مَیں جلدی کو پسند نہیں کرتا۔ فی الحال ہم کو اور غور کرلینا چاہیے۔

خلیل احمد: مَیں بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ جلدی سے کام لیں۔خوب غور کرلیں۔ لیکن چونکہ نیکی میں تاخیر کرنا بھی درست نہیں۔ اس لئے آپ کو خداتعالیٰ سے بھی دعا بھی کرنی چاہیے۔ کہ اے علّام الغیوب تو جانتا ہے اور مَیں نہیں جانتا۔ اس لئے میرے سینے کو ہدایت کے قبول کرنے کے لئے کھول دے اور مجھ پر حقیقت منکشف فرما۔ وہ مجیب الدّعوات ہے۔ضرور آپ کی پکار کو سُنے گا۔

پانچواں باب

تمام دوست اپنے اپنے کمروں میں جا کرسو رہے۔ افضل بیگ بھی اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ مگر اس کا دماغ پریشان تھا اور مختلف خیالات نے اس کو عجیب کشمکش میں ڈال دیا۔ وہ اپنے دل سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔

سمجھ نہیں آتا۔ یہ کیا بات ہے۔ ہمارے باپ، دادوں کا مذہب اسلام تھا۔ آج تک مَیں بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا رہا۔ مگر نامعلوم آج میرا دل اسلام کے نام سے کیوں گھبراتا ہے۔ مسلمان پراگندہ اور نہایت خستہ حالت میں مُبتلا ہیں۔ مسٹر خلیل احمد نے مسلمان زعماء کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ ان کے اندر کوئی روحانیت موجود نہیں اور ان کی حالت ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ مسلمان خود اقرار کرتے ہیں کہ ان پر خدا کی رحمتیں نازل نہیں ہوتیں۔ بلکہ خدا کا غضب اور قہر ان پر نازل ہوتا ہے۔ تعطیلات سے واپسی پر اس پادری نے جو باتیں بیان کی تھیں وہ معقول معلوم ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر اس شخص کی گردن اڑانا جائز ہے جو مسلمان نہ ہو اور اس کام کو سرانجام دینے کے لئے وہ مسیح اور مہدی کے منتظر ہیں۔ گویا جبر کا مذہب ہے۔ اس کے مقابل پر عیسائیت نرمی اور پیار کا مذہب ہے۔ پھر حضرت مسیح کی قرآنِ مجید نے بہت تعریف کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آجکل سب سے اچھا مذہب عیسائیت ہی ہے جس سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ اب مَیں حیران ہوں کیا کروں۔ لیکن مجھے حیران ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ آزادی سے جو مذہب عمدہ اور درست معلوم ہو اس کو قبول کرے۔ اس دن ریل میں پادری صاحب نے بھی یہی کہا تھا کہ مَیں بھی مسلمان تھا۔ مگر تحقیق کے بعد مجھے اسلام سے نفرت پیدا ہوگئی اور مَیں نے برضا و رغبت عیسائیت کو قبول کرلیا۔ تو کیا مجھے بھی اس آزادی کو استعمال کرنا چاہیے۔ ہاں۔ ہاں کیوں

نہیں۔مسٹر خلیل احمد نے تو ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے علماء کے اندر ایسی ایسی بُری صفات پیدا ہو چکی ہیں جو ایک معمولی درجہ کے انسان میں بھی ناپسندیدہ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ثابت کیا تھا کہ ''داستانِ مرزا'' کے مؤلف نے دھوکا دینے کے لئے مرزا صاحب کی عبارتوں کو کس طرح کاٹ چھانٹ کر اور تحریف کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

پس جب میں مسلمانوں کی حالت اور ان کی باتوں سے متنفر ہو چکا ہوں۔تو کوئی وجہ نہیں کہ مَیں اپنے ضمیر کے مطابق درست مذہب اختیار نہ کروں ......

ہوسٹل کا سپرنٹنڈنٹ جو عیسائی تھا۔کسی وقت ضرورت کے ماتحت جب صحن میں آیا تو بجلی کی روشنی نے اس کو افضل کے کمرہ کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ وہ آہستہ سے کمرہ میں داخل ہوا۔ افضل نے دروازے کی طرف دیکھا اور سپرنٹنڈنٹ کو اپنے کمرہ میں داخل ہوتے دیکھ کر بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

سپرنٹنڈنٹ: افضل بیگ! کیا وجہ ہے تم خلاف معمول اس وقت تک جاگ رہے ہو؟

افضل: کوئی خاص وجہ نہیں۔صرف بعض باتوں نے دماغ میں پریشانی پیدا کر دی ہے۔جس کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔

سپرنٹنڈنٹ: کس بات نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے۔کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں؟

افضل: بات صرف یہ ہے کہ چند دنوں سے مَیں مذہبی گفتگو میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اور کئی دنوں کی گفتگو نے دماغ میں یہ اثر پیدا کیا ہے کہ مذہب اسلام جس پر ہمارے آباءواجداد کاربند تھے۔ وہ درست نہیں۔اور نہ ہی اس کے پیرو حقیقی نجات کو پہنچ سکتے ہیں اور میری طبیعت اس طرف مائل ہے کہ مسیحی مذہب راستی کا مذہب ہے۔

سپرنٹنڈنٹ: اس سے بڑھ کر تمہاری خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ تم پر مسیحیت کی برتری اور فضیلت واضح ہو گئی۔اب اس کو قبول کرنا آپ کا فرض ہے۔

غور تو کریں! مسلمان خود اس بات کے قائل ہیں کہ:

1۔ باقی تمام انبیا فوت ہو چکے مگر ہمارے مسیح کو زندہ تسلیم کرتے ہیں۔

2۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ آدم سے لے کر ان کے محمدؐ صاحب تک تمام انبیاء گناہوں میں ملوث تھے۔ مگر ہمارے خداوند یسوع مسیح کو بالکل پاک گردانتے ہیں۔

3۔ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ سوائے مسیح اور ان کی والدہ کے باقی تمام بچوں کو ان کی پیدائش کے وقت شیطان چھوتا ہے۔

کیا یہ باتیں اس بات پر پختہ دلیل نہیں کہ تمام مذہبوں سے اعلیٰ اور افضل مذہب عیسائیت ہی ہے۔

پھر ہمارا مذہب صلح اور آشتی کا مذہب ہے اور نرمی کی تعلیم دیتا ہے مگر اس کے بالمقابل اسلام جبر و تشدّد کی تعلیم دیتا ہے۔

اور سب سے بڑھ کر ہمارے مذہب کے برحق اور افضل ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ خداوند یسوع مسیح نے ہمارے گناہوں کو اٹھا کر صلیب پر جان دیدی۔ اور ہر شخص کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے جو ان کے اس کفارہ الوہیّت پر ایمان لاتا ہے پس ان دلائل کے بعد اس صداقت کو قبول کر لینا آپ کے لئے موجب نجات ہے۔

افضل بیگ: مَیں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مَیں اب اسلام میں رہ کر اپنی زندگی کو خراب کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے مقابل میں مَیں عیسائیت کو اچھا سمجھتا ہوں۔

سپرنٹنڈنٹ: مرحبا! آپ کے لئے یہ اقدام مبارک اور موجب مسرت ہے۔ اچھا اب آپ آرام کریں۔ اتوار کے دن آپ کو گرجا میں لے جا کر بپتسمہ دیا جائے گا۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب یہ کہہ کر چلے گئے اور افضل بیگ اپنے دل میں عیسائی ہونے کا قطعی فیصلہ کر کے سو رہا اور اس وقت اس کی آنکھ کھلی جب اس کے تینوں دوست صبح کے وقت اس کے

کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے اپنے ہمراہ کالج جانے کے لئے کہا۔ مگر افضل نے یہ کہہ کر کہ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ ان کو رُخصت کر دیا اور خود اپنے والد کی طرف مندرجہ ذیل خط لکھنا شروع کیا:

لاہور۔ یکم نومبر

قبلہ والد صاحب بزرگوار۔ تسلیم

امید ہے۔ آپ سب بخیریت ہوں گے۔ مَیں بھی بخیریت ہوں۔

یہ خط مَیں آپ کی خدمت میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ تعطیلات سے آ کر ہم چند دوست مذہبی گفتگو میں دلچسپی لے رہے تھے اور کئی دنوں کی تحقیق کے بعد مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ مذہب جس کا مَیں اور آپ سب پابند تھے۔ درست نہیں۔ کیونکہ اس پر عمل کرنے سے مکتی حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اس مذہب کے اصول اور قواعد درست ہیں۔ اور اس کے بالمقابل مسیحی مذہب سچائی اور راستی کا مذہب ہے کیونکہ اس سے نجات حاصل ہوتی ہے اور وہ دیگر تمام مذاہب کے مقابلہ میں عمدہ اور افضل تعلیم کا حامل ہے اور خود مسلمانوں کے موجودہ عقائد اور ان کی موجودہ حالت اس کی مؤید ہے۔ اس لئے مَیں نے ان حالات سے متنفر ہو کر برضا و رغبت عیسائیت قبول کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور اس اتوار کو گرجا میں جاکر باقاعدہ طور پر مسیحیت میں داخل ہو جاؤں گا۔ یہی وجہ ہے کہ خط کے ابتدا میں اسلامی طریق یعنی السلام علیکم کی بجائے تسلیم لکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی اس راہِ نجات کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ والدہ کی خدمت میں آداب۔

آپ کا فرمانبردار

افضل بیگ

کالج کی خالی گھنٹی میں انور کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ افضل کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ معلوم کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی خیال کے ساتھ وہ ہوسٹل کی طرف واپس آیا اور افضل بیگ کے کمرہ میں داخل ہو کر اس سے یوں ہمکلام ہوا:

انور: کیا وجہ ہے کہ آج آپ ہمارے ساتھ کالج نہیں گئے۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

افضل بیگ: بالکل ٹھیک ہے۔صرف ایک خلش سی تھی۔ جواب دور ہو چکی ہے۔

انور: کیسی خلش۔ اور کس طرح دور ہو چکی ہے؟

افضل بیگ: اتوار کو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی۔

انور: اتوار کے دن کیا بات ہے۔ کیا اس وقت اس راز کو معلوم نہیں کیا جا سکتا؟

افضل بیگ: یہ کوئی راز نہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ابھی عرض کئے دیتا ہوں۔

انور: ضرور۔ مَیں تو صرف اسی خاطر آپ کے پاس آیا تھا کہ آپ کی طبیعت کا حال معلوم کروں۔

افضل بیگ: اگر آپ سُننا ہی چاہتے ہیں تو ؏

جگر کو تھام لو اب دل جلے فریاد کرتے ہیں

آپ کو معلوم ہے کہ چند دنوں سے ہم سب دوست مذہبی مباحثات میں مشغول تھے اور اس کا جو اثر آپ کے دل پر مجھے محسوس ہوتا ہے۔ اگر مَیں غلطی نہیں کرتا۔ تو وہ یہ ہے کہ آپ چوہدری خلیل احمد صاحب کے سامنے ساکت اور لاجواب ہو چکے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ تعطیلات سے واپسی کے دورانِ سفر آپ نے پورے وثوق کے ساتھ اس امید کا اظہار کیا تھا کہ لاہور پہنچ کر آپ خلیل احمد صاحب کو مرزائیت سے تائب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ آپ فتح کی اُمنگیں دل میں لے کر آئے تھے۔ مگر مغلوب ہوئے۔ البتہ آپ نے مقابلہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ؎

شکست و فتح نصیبوں میں ہے ولے اے میرؔ
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

اس بحث سے مَیں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اس روز گاڑی میں پادری صاحب نے جو باتیں بیان کی تھیں وہ بالکل درست اور بجا ہیں۔

کیونکہ مسلمانوں کی حالت نہایت ابتراور پراگندہ ہے۔ وہ خدا کی نظروں میں مقہور و مغضوب ہیں۔ ان کے اندر روحانیت موجود نہیں۔ اور نہ ہی ان کے اعتقادات درست ہیں۔ بلکہ وہ اعتقادات عیسائیت کے مؤیّد ہیں۔ اس لئے مَیں نے مُردہ مذہب کو خیر باد کہہ کر مسیحیت کو قبول کرلیا ہے۔ اور اس اتوار کو گرجا میں جاکر باقاعدہ طور پر اس کا اعلان کرنے والا ہوں۔ محمد انور کے چہرے کا رنگ متغیّر ہوگیا اور حیرانگی کے عالم میں چند سیکنڈ خاموش رہنے کے بعد بولا۔

انور: مَیں کیا سُن رہا ہوں! خدا کرے یہ خواب ہو۔

افضل: نہیں فی الواقعہ ایسا ہی ہے۔

انور: تب تو ہماری بدقسمتی اور ذلّت کی انتہا ہوگئی۔

افضل: کیسی بدقسمتی اور کہاں کی ذلّت۔ آپ کو بھی مَیں اس مذہب کے قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جو سراسر نجات کا موجب ہے۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے۔

محمد انور: کاش ہم یہ بحث شروع ہی نہ کرتے۔ اور نہ آج یہ ماتم کا دن دیکھتے۔ یہ کہہ کر انور کالج واپس آ گیا اور چھٹی کے وقت خلیل احمد اور حمیداللہ سے تمام واقعہ کہہ ڈالا۔

خلیل احمد: اب آپ نے اس کے انسداد کی کیا تجویز سوچی ہے۔

انور: یہی کہ اب ان کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لانا چاہیے۔ اور یہ کام اتوار سے پہلے پہلے انجام دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اس دن وہ گرجا میں جاکر اعلان کرنے والے ہیں۔

خلیل احمد: تو پھر اس میں دیر نہ کریں اور ان کو دلائل سے قائل کرکے واپس لانے کی کوشش کریں۔

انور: مَیں اکیلا یہ کام نہیں کرسکتا۔ جب تک آپ نہ ہوں یہ بات بننے کی نہیں۔

حمید اللہ: قہقہہ لگا کر تعجب ہے۔ آپ تو چند دن پیشتر ان کو اور ان کے مقتدا کو خارج از اسلام یقین کرتے تھے۔ مگر آج انہی کے آگے ہاتھ جوڑ رہے ہیں۔ کہ جب تک یہ نہ ہوں اس وقت تک آپ کسی کو اسلام کی حقانیّت کا قائل نہیں کر سکتے۔

خلیل احمد: انور صاحب۔ جب آپ اپنے آپ کو سچّا مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور آپ کے پاس وہ دلائل وشواہد موجود ہیں۔ جن کی بنا پر آپ اسلام کو راستی کا مذہب یقین کرتے ہیں تو پھر وہی دلائل آپ افضل بیگ کے سامنے پیش کر کے ان کو مرتد ہونے سے بچالیں۔ ہم تو آپ کے نزیک مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔ پھر ہم بھلا دوسرے کو کس طرح راہِ راست پر لاسکتے ہیں۔

محمد انور: وہ خیالات تبدیل ہو چکے۔ اب مَیں آپ کو ہرگز اسلام سے خارج نہیں سمجھتا۔ بلکہ میرے نزدیک آپ لوگ اسلام کے خدمت گذار اور پابند ہیں۔ جن اعتراضات کی وجہ سے مَیں ایسا سمجھتا تھا وہ دُور ہو چکے ہیں۔

خلیل احمد: الحمدللہ۔ خدا نے آپ پر حقیقت منکشف فرمادی۔

انور: اب تو آپ ضرور میرے ہمراہ جاکر افضل بیگ کو ارتداد سے بچانے کی کوشش کریں گے۔

خلیل احمد: مَیں تو بہرصورت یہ خدمت بجالاؤں گا۔ مگر ابھی اس کا وقت نہیں آیا فی الحال آپ کوشش کریں۔

انور: وہ وقت کب آئے گا۔ کیا جس وقت وہ اعلان کر دے گا۔ پھر آپ یہ کوشش کریں گے؟

خلیل احمد: آپ گھبرائیں نہیں۔ ہر ایک کام اپنے اپنے وقت پر مفید ہوا کرتا ہے۔ مَیں صرف افضل بیگ کو ہی ارتداد سے بچانے کا ذمہ وار نہیں۔ بلکہ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تثلیث کے جس قلعہ میں افضل نے پناہ لینے کی کوشش کی ہے اس پر سچائی کے دلائل کی ایسی بمباری کروں گا کہ ہمیشہ کے لئے یہ عمارت تباہ وبرباد ہوجائے گی اور افضل کو یقیناً واپس آ کر اسلام میں پناہ لینی پڑے گی۔

تینوں دوست اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

انور کو ہر وقت یہ بات تکلیف دیتی تھی کہ مبادا افضل اپنے عیسائی ہونے کا اعلان کر دے۔ اس لئے وہ اکثر افضل کے پاس جا کر اس کو سمجھانے میں مصروف رہتا۔ مگر ہر بار ناکام واپس آتا۔ کر بھی کیا سکتا تھا ؏

او خویشتن گم است کرا راہبری کند

چھٹا باب

اتوار کا دن اور قریباً نو بجے کا وقت ہے۔ گرجا کی گھنٹی مسیحی عبادت گذاروں کو اپنی طرف بلا رہی ہے اور لوگ گرجا میں داخل ہو رہے ہیں۔

افضل بیگ بھی سپرنٹنڈنٹ کے ہمراہ گرجا میں داخل ہوا اور دونوں ایک طرف کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد پادری صاحب تشریف لائے اور عبادت شروع ہوئی۔

عبادت سے فارغ ہو کر سپرنٹنڈنٹ صاحب نے کھڑے ہو کر پادری صاحب سے مخاطب ہو کر کہا:

سپرنٹنڈنٹ: عالی جاہ! ہمارے ہوسٹل کا ایک نوجوان مسلمان طالب علم عیسائیت کو قبول کر کے نجات حاصل کرنے کا متمنی ہے اور آج وہ اسی غرض سے میرے ساتھ آیا ہے۔ تاکہ آپ اس کو بپتسمہ دے کر باقاعدہ طور پر اس کے مسیحیت میں داخل ہونے کا اعلان فرما دیں۔

چاروں طرف سے تالیاں بجائی گئیں اور مسرّت کا اظہار کیا گیا۔

اتنے میں تین نوجوان سامنے سے گرجا میں داخل ہوئے اور ایک طرف کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

پادری صاحب نے کھڑے ہو کر مختصر الفاظ میں خوشنودی کا اظہار کرنے کے بعد افضل کو آگے آنے کے لئے کہا تاکہ ان کو بپتسمہ دے کر عیسائیت میں داخل کریں کہ اتنے میں نَو وارد نوجوانوں میں سے ایک نے کھڑے ہو کر پادری صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

نوجوان: عالی جاہ! مَیں اور میرے دونوں ساتھی بھی نجات کے خواہاں اور روحانیّت کے دلدادہ ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اگر آپ ہمارے بعض شبہات کو زائل کر کے اور مسیحیت کی حقانیت سے آشنا کر کے ہمیں بھی اس کا قائل کر لیں۔ تاکہ ہم سب اکٹھے عیسائی ہونے کا اعلان کر دیں۔

تمام حاضرین نے نظریں اٹھا اٹھا کر اس نوجوان کو دیکھنا شروع کیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ پادری صاحب کی طرف سے اس کا کیا جواب دیا جاتا ہے۔

پادری صاحب نے افضل کو بپتسمہ دینے میں توقف کرتے ہوئے نوجوان کو یوں مخاطب کیا:

پادری صاحب: میرے عزیز! انسان پیدائشی گنہگار ہے اور گناہ اس کی فطرت میں داخل ہے۔اس لئے بغیر وسیلہ کے اس کا گناہ سے نجات پانا ناممکن ہے۔اور وہ وسیلہ انسان نہیں ہوسکتا۔اس لئے خدا نے اپنے بیٹے کو اس غرض کے لئے خداوند یسوع مسیح کی شکل میں مبعوث فرمایا تا کہ وہ تمام انسانوں کو گناہ سے نجات بخشے۔

خداتعالیٰ چونکہ عادل اور رحیم ہے اس لئے اس کا عدل چاہتا تھا کہ گناہ کی سزا دے۔اور اس کا رحم اس بات کا متقاضی تھا کہ تمام کو معاف کر دیا جائے۔اس لئے خداوندتعالیٰ نے اپنے بیٹے کو بھیجا۔ تا کہ وہ تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہو۔چنانچہ ہمارے خداوند یسوع مسیح نے گنہگاروں کے گناہوں کو اٹھا کر صلیب پر چڑھ کر جان دے دی۔اور اس طرح پر خدا کا عدل بھی قائم رہا کہ اس نے سزا دے لی۔اور رحم بھی نہ ٹوٹا کہ اس نے باقی انسانوں کو چھوڑ دیا۔پس جو شخص بھی آپ کی الوہیت اور کفارہ پر ایمان لاتا ہے وہ ابدی نجات کا مستحق ہے۔لہٰذا آپ بھی اس پر ایمان لا کر گناہوں سے رہائی حاصل کر سکتے ہیں۔

نوجوان: اگر آپ اس امر کو دلائل سے واضح کر دیں تو ان کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں۔کیونکہ ہر ایک صداقت کو قبول کرنا فرض ہے۔مگر میرے نزدیک آپ کی اس تقریر میں مندرجہ ذیل امور حل طلب ہیں۔جب تک آپ ان کو بدلائل حل نہ کر دیں۔اس بات کو تسلیم کر لینا مشکل ہے اور وہ یہ ہیں:

1۔آپ نے فرمایا ہے کہ گناہ انسان کی فطرت میں داخل ہے۔اس لئے اس کا اپنی کوشش سے نجات حاصل کرنا ناممکن ہے۔ یہ بات خداتعالیٰ کی صفات۔مشاہدہ اور عقل کے خلاف ہے۔کیونکہ جس بات پر کوئی انسان قادر ہی نہیں۔اس کے نہ کرنے سے اس کو سزاوار ٹھہرانا خدا کی صفات میں

ایک نقص ہے۔ نیز عقل انسانی اور مشاہدہ اس کو قبول نہیں کرتے۔ پس جب انسان گناہ سے کسی صورت بھی بچ نہیں سکتا۔ تو پھر اس کو مجبور کرنا کہ گناہ سے بچو۔ ورنہ تم قابل سزا قرار پاؤ گے۔صریح ظلم ہے۔ وَلَیْسَ اللّٰہُ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِیْدِ۔

2۔ آپ نے جو فرمایا ہے کہ مسیح ابن اللہ ہیں۔ یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ آدم سے لے کر خداتعالیٰ انسانوں کی اصلاح کے لئے انسانوں کو ہی مبعوث کرتا رہا ہے اور کوئی مثال بھی ایسی نہیں ملتی۔ کہ کبھی اپنے بیٹے کو بھیجا ہو۔ پس استقراء سے یہ حکم کلی لگایا جائے گا کہ کُلُّ مَنْ اُرْسِلَ مِنَ اللّٰہِ انسان اور اس صغریٰ کے ساتھ کبریٰ جو کہ عیسائیوں کے نزدیک بھی مسلّم ہے یوں لگایا جائے گا اَلْمَسِیحُ اُرْسِلُ مِنَ اللّٰہِ۔ تو شکل اوّل کا بدیہی نتیجہ جو منطق کے تمام قواعد کے مطابق ہے یہی ہو گا۔ المسیح انسانٌ۔

3۔ تیسری بات آپ نے یہ بیان کی ہے کہ خدا کا عدل سزا دینے اور اس کا رحم معاف کرنے کا تقاضا کرتے تھے۔ اس لئے اس نے اپنی دونوں صفتوں کو پورا کرنے کے لئے یہ تجویز کی کہ اپنے بیٹے کو انسانوں کے گناہوں کی سزا دے کر اپنے عدل کو قائم رکھا۔ اور خود گنہگاروں کو چھوڑ دینے سے اس کا رحم بھی ہاتھ سے نہ گیا۔ لیکن یہ طریق سخت قابلِ اعتراض ہے کیونکہ ایسا کرنے سے نہ خدا کا عدل قائم رہا اور نہ رحم۔

یہ طریق عدل کے خلاف اس لئے ہے کہ ایک بے گناہ کو سزا دی اور رحم اس لئے ٹوٹا کہ بہرحال سزا دے لی۔

پھر یہ امر خلاف عقل اور خلاف قانون بھی ہے کیونکہ گناہ ایک بیماری ہے جس کو دور کرنے کے لئے خود بیمار کو دوائی دینا اور اس کی اصلاح کرنا ضروری ہے۔ مگر یہ بات انسانی عقل اور مشاہدہ اور قانون قدرت کے خلاف ہے کہ چوٹ زیدؔ کے لگے اور پٹی بکرؔ کے سر پر باندھی جائے۔ پیٹ درد عمرؔ کے ہو اور دوائی خالدؔ کے منہ میں ڈالی جائے۔

معاف کیجئے گا۔ گنہگاروں کو چھوڑ کر ان کے بدلہ مسیح کے گلے میں پھانسی کا رسّہ ڈالنا اندھیر نگری چوپٹ راجہ کی مثل کے مطابق ہے۔ کہتے ہیں کسی راجہ کی حکومت میں یہ قانون رائج تھا کہ ہر ایک چیز ایک ہی نرخ پر فروخت کی جائے۔ اتفاق سے ایک سادھو اور اس کا شاگرد شہر میں آ نکلے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ اس جگہ پر یہ قانون ہے تو سادھو نے اپنے شاگرد سے کہا کہ اس مقام سے کوچ کر جانا بہتر ہے۔ مگر شاگرد نے وہیں رہنے پر اصرار کیا کہ جب یہاں پر ہم کو ہر ایک چیز ایک ہی نرخ پر مل سکتی ہے تو کیوں نہ ہم یہیں قیام کریں اور ادنیٰ چیزوں کی بجائے اعلیٰ اعلیٰ کھانے اور مٹھائیاں استعمال کریں۔ آخر کچھ دیر کے قیام کے بعد وہ شاگرد اچھی اچھی غذائیں اور کھانے کھاکر موٹا تازہ ہوگیا۔ ایک دن کوئی راہ گیر ایک دیوار کے گر جانے سے اس کے نیچے آ کر مر گیا۔ راجہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ جس شخص کی دیوار تھی۔ اس کو پھانسی دی جائے۔ مالک مکان چیختا چلاتا حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ "حضور! میرا قصور نہیں۔ دیوار بنانے والے معمار کا قصور ہے۔ فوراً حکم ہوا کہ معمار کو پھانسی کی سزا دی جائے۔ معمار کو حاضر کیا گیا تو اس نے بھی منت سماجت کر کے رہائی حاصل کی کہ جناب میرا قصور نہیں۔ مزدور نے گارا ٹھیک نہیں بنایا تھا۔ اس لئے دیوار گر گئی۔ چنانچہ راجہ نے مزدور کو پھانسی کی سزا کا حکم دے دیا۔ اب مزدور کو پھانسی دی جانے لگی تو پھانسی کا رسّہ اس کے گلے میں درست نہیں آتا۔ راجہ کو خبر پہنچی۔ کہ مزدور دُبلا پتلا آدمی ہے اور پھانسی کا رسّہ اس کے گلے میں ٹھیک نہیں آتا۔ تو حکم دیا کہ اچھا شہر میں جس کے گلے میں رسّہ درست آتا ہے اس کو پھانسی پر لٹکا دو۔ چنانچہ تلاش کرنے پر اس سادھو کا شاگرد اس کام کے لئے سب سے بہتر معلوم ہوا اور راجہ کے افسر پھانسی پر لٹکانے کے لئے لے گئے۔ مگر وہاں پہنچ کر عجیب تماشا ہوا۔ شاگرد اپنے گلے میں رسّہ ڈالنے لگا تو سادھو نے اس سے چھین لیا کہ نہیں مَیں اس کو اپنے گلے میں ڈالوں گا۔ سادھو ڈالنے لگا تو شاگرد نے چھین کر کہنا شروع کر دیا کہ نہیں جناب یہ میرا حق ہے۔ مَیں ہی اس کو اپنے گلے میں ڈالوں گا۔

جب یہ جھگڑا لمبا ہوگیا تو افسروں نے راجہ کو اس امر کی اطلاع دی جس کو سُن کر راجہ خود موقع پر آیا اور اس نے اس جھگڑے کی وجہ دریافت کی۔ سادھو اور اس کے شاگرد نے بتایا کہ عالی جاہ وجہ صرف یہ ہے کہ جو شخص بھی اس گھڑی میں پھانسی پر اپنی جان دے گا وہ سیدھا جنّت میں جائے گا۔ اس لئے ہم دونوں میں سے ہر ایک اس سعادت کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسی وجہ سے یہ جھگڑا لمبا ہوگیا۔

راجہ صاحب نے آگے بڑھ کر فوراً پھانسی کا رسّہ اپنے گلے میں ڈال لیا اور حکم ہوا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر یہ سعادت ہماری موجودگی میں کِسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتی اور پھانسی پر لٹک کر جان دے دی۔

پس بعینہٖ یہی صورت حضرت مسیح کے پھانسی پر لٹکنے کی ہے کہ چونکہ آپ کے اعتقاد کے مطابق انسان نہ تو گناہ سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کو سزا دینی مناسب تھی۔ اس لئے خدا نے اس راجہ کے فعل کے مطابق حکم دے دیا کہ اچھا جس کے گلے میں پھانسی کا رسّہ آتا ہے اسی کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے اور اس کام کے لئے حضرت مسیح کو قربانی کا بکرا بنایا گیا۔

4۔ چوتھی بات آپ نے یہ بیان کی ہے کہ حضرت مسیح نے لوگوں کے گناہوں کو اٹھا کر صلیب پر چڑھ کر جان دے دی اور ان کا صلیب پر چڑھ کر مر جانا انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہوا۔

لیکن یہ بات خلافِ انجیل ہے کیونکہ انجیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرے۔ پس جب آپ صلیب پر فوت نہ ہوئے۔ تو گناہوں کا کفارہ بھی نہ ہوئے۔ کیونکہ کفارہ اسی صورت میں ہوسکتے تھے کہ صلیب پر جان دے دیتے۔ چنانچہ مختصر طور پر تین دلیلیں انجیل سے ایسی پیش کرتا ہوں جن سے ثابت ہوجاتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرے۔

الدّلیل الاوّل: اس امر کی پہلی دلیل انجیل کی یہ عبارت ہے۔

''تب بعضے فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں کہا کہ اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھا چاہتے ہیں۔ اس نے انہیں جواب دیا اور کہا کہ اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں۔

پر یونس نبی کے نشان کے سوا باقی کوئی نشان نہیں دکھایا جائے گا۔کیونکہ جیسا یونس تین دن رات مچھلی کے پیٹ کے اندر رہا۔ویسا ہی ابن آدم تین دن رات زمین کے اندر رہے گا''۔(متی باب12 آیت38 تا41)

اس حوالے سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود کے ذریعہ ایسا معجزہ صادر ہو گا جیسا کہ حضرت یونسؑ کے ذریعہ صادر ہوا تھا اور یونس کے ذریعہ جو معجزہ صادر ہوا تھا اس میں ہمارا اور آپ کا اتفاق ہے کہ اس میں حضرت یونسؑ مر کر زندہ نہیں ہوئے تھے بلکہ باوجود تین دن کی موت و حیات کی کشمکش کے اور پوری طرح اسباب موت جمع ہو جانے کے حضرت یونس فوت نہیں ہوئے تھے اور چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے متعلق بھی یونسؑ جیسے معجزہ کی پیشگوئی کی تھی۔اس لئے لازماً ہمیں ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر مر کر زندہ نہیں ہوئے۔بلکہ باوجود یہودیوں کی کوشش کے اور صلیب پر لٹکا دیئے جانے کے پھر بھی آپؑ فوت نہ ہوئے اور اس صورت میں بے شک آپؑ کا معجزہ یونسؑ نبی کے معجزہ کے مشابہ ٹھہرتا ہے۔لیکن اگر آپ کے خیال کے مطابق یہ سمجھا جائے کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت ہو گئے تھے تو اس سے مسیح کی پیشگوئی باطل ٹھہرتی ہے کیونکہ گو مر کر زندہ ہو جانا بھی ایک معجزہ ہے۔ مگر یونسؑ کے معجزہ سے اس کو کوئی مشابہت نہیں۔کیونکہ یونسؑ مر کر دوبارہ زندہ نہیں ہوئے تھے۔

پس مسیح کے مذکورہ بالا کلام کو سچا ٹھہرانے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہم مسیح کے متعلق یہ اعتقاد رکھیں کہ آپؑ صلیب سے زندہ اتر کر تین دن رات زمین کے گڑھے میں رکھے گئے اور موت و حیات کی سخت کشمکش میں رہ کر آخر موت کے پنجہ سے بچ گئے۔

الدّلیل الثانی: کتاب استثناء میں لکھا ہے:

''اور اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور وہ مارا جائے اور تو اسے درخت پر لٹکا دے۔تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے۔کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے۔اس لئے چاہیے کہ تیری زمین جس کا وارث خداوند تیرا خدا تجھ کو کرتا ہے ناپاک نہ کی جائے''۔(باب 21 آیت 22،23)

اس حوالہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مصلوب شخص ملعون ہوتا ہے۔اس حوالے کو مدّنظر رکھ کر ہم اس امر کے معتقد ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے زندہ اُتر آئے تھے۔کیونکہ اگر ان کی موت صلیب پر سمجھی جائے تو وہ توریت کے قانون کی رُو سے ملعون ٹھہریں گے۔اس لئے مسیح کو لعنتی موت سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کی موت کو صلیبی موت نہ سمجھیں۔

خلاصہ اس دلیل کا یہ ہے کہ موت کی دو قسمیں ہیں۔(نمبر 1) لعنتی اور (نمبر 2) غیر لعنتی۔مسیح چونکہ خدا کے مقرب اور نبی اور خدا کے پاک بندے تھے اس لئے یہی قرینِ قیاس اور بہتر ہے کہ ان کی موت کو صلیبی موت نہ سمجھا جائے۔اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ آپؑ زندہ صلیب سے اُتر آئے تھے۔

الدّلیل الثالث: انجیل متی میں لکھا ہے:

''تب اس نے پطرسؔ اور زبدیؔ کے دو بیٹے ساتھ لئے اور غمگین نہایت دل گیر ہونے لگا۔تب اس نے انہیں کہا کہ میرا دل نہایت غمگین ہے۔بلکہ میری موت کی سی حالت ہے۔تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو اور کچھ آگے بڑھ کر مُنہ کے بل گِرا اور دعا مانگتے ہوئے کہا کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گذر جائے تو بھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو''۔
(متی باب 26۔ آیت 39-37)

اسی طرح مرقس میں لکھا ہے:

''اور پطرس اور یعقوبؔ اور یوحنّاؔ کو اپنے ساتھ لیا اور وہ گھبرانے اور بہت اداس ہونے لگا اور ان سے کہا میری جان کا غم موت کا سا ہے۔تم یہاں ٹھہرو اور جاگتے رہو۔اور وہ تھوڑا آگے جاکر زمین پر گرا اور دعا مانگی کہ اگر ہو سکے تو یہ گھڑی مجھ سے ٹل جائے۔اور کہا۔اے ابّا۔اے باپ سب کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے۔اس پیالے کو مجھ سے ٹال دے۔لیکن نہ وہ جو مَیں چاہتا ہوں بلکہ جو تو چاہتا ہے''۔
(مرقس باب 14 آیت 33 تا 36)

نیز لوقا باب 22 آیت 44-41 میں لکھا ہے:

''اور اس نے ان سے تیر کے ایک ٹپے پر بڑھ کے گھٹنے ٹیک کر دعا مانگی اور کہا کہ اے باپ اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے دور کر دے۔ لیکن میری مرضی سے نہیں۔ بلکہ تیری مرضی کے مطابق ہو۔ اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا جو اسے قوت دیتا تھا اور وہ جان کنی میں پھنس کے بہت گڑگڑا کے دعا مانگتا تھا۔ اور اس کا پسینہ لہو کی بوند کی مانند ہو کر زمین پر گرتا تھا''۔

ان حوالہ جات سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اوّل: یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر مرنا نہیں چاہتے تھے۔ حالانکہ اگر وہ اس موت سے مرکر لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ہونے کے لئے دنیا میں ظاہر ہوئے تھے تو پھر ان کو اس امر پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔

دوم: یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے کہ صلیبی موت ان سے ٹل جائے اور طبیعت کا منشاء بھی ظاہر کرتے تھے۔

پس ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ مسیح کی یہ دعا کہ مجھے صلیبی موت سے بچا لیا جائے قبول ہوئی یا نہیں۔ کیونکہ ان حوالوں میں صرف دعا کا ذکر ہے۔ قبولیّت یا عدم قبولیّت کا ذکر نہیں اس کے متعلق عبرانیوں باب 5 آیت 9-7 میں لکھا ہے:

''اس نے اپنے مجسم ہونے کے دنوں میں بہت رو رو اور آنسو بہا بہا کے اس سے جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا۔ دعائیں اور منتیں کیں اور تحمل کے سبب اس کی سُنی گئی۔ اگرچہ وہ بیٹا تھا پر ان دُکھوں سے جو اس نے اٹھائے فرمانبرداری سیکھی۔ وہ کامل ہو کر اپنے سب فرمانبرداروں کے لئے ہمیشہ کی نجات کا باعث ہوا''۔

اس حوالہ سے صاف طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ انجیل کی رُو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وہ دعائیں جو موت سے بچنے کے متعلق مانگی گئی تھیں۔ قبول کی گئیں اور موت سے بچنے کی دعا کا قبول ہونا صرف یہی مطلب رکھتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر نہیں مرے اور ان کا صلیب پر نہ مرنا اس امر کا ثبوت

ہے کہ وہ کفارہ نہیں ہوئے۔ کیونکہ کفارہ اسی صورت میں ہو سکتے تھے کہ صلیب پر چڑھ کر جان دے دیں۔ پس جب کفارہ نہ ہوا تو نجات کیسی۔

نیز کفارہ کے معنے تو سزا کے ہوتے ہیں اور سزا مجرم کو ہی دی جاتی ہے تا کہ اس کی اصلاح ہو نہ کہ غیر مجرم کو۔

پادری صاحب: معلوم ہوتا ہے کہ آپ سمجھنے کے لئے نہیں بلکہ مناظرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ مگر افسوس کہ گرجا کو میدان مناظرہ نہیں بنایا جا سکتا۔

نوجوان: تو کیا آپ کے نزدیک کسی مذہب کو بغیر تحقیق کے ہی تسلیم کر لینا چاہیے۔ اگر نہیں تو پھر ہر ایک شخص کا حق ہے کہ وہ مذہب کے معاملہ میں اچھی طرح غور و فکر کر کے کوئی قدم اٹھائے۔ کیا آپ کا فرض نہیں کہ مسیحی ہونے کی حیثیت سے اپنے مذہب کے خلاف ہر ایک اعتراض کو حل کر کے اس کی سچائی ثابت کریں۔

پادری صاحب: کیوں نہیں۔ اس کے متعلق تو مَیں کہہ چکا ہوں۔ کہ ہمارے مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب میں نجات کا حاصل ہونا محال ہے اور ہمارا مذہب صلح اور محبّت اور نرمی کا مذہب ہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں اسلام جبر اور تشدّد کا مذہب ہے۔

نوجوان: اگر فی الواقعہ ایسا ہی ہو تو آپ حق بجانب ہیں۔ مگر افسوس آپ کی یہ بات صرف زبان تک ہی محدود ہے اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس امر کی کوئی دلیل آپ کے پاس ہے کیونکہ یہ امر انجیل سے ثابت نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر عرض کئے دیتا ہوں:

1۔ مسیح کے پاس چند فقیہی اور فریسی آ کر نہایت ادب سے گذارش کرتے ہیں '' کہ اے استاد ہم تجھ سے نشان دیکھا چاہتے ہیں''۔

مگر مسیح اس نرم اور مؤدبانہ کلام کا جواب اس رنگ میں دیتے ہیں کہ: ''اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا''۔ (متی باب 12۔ آیت 39-38)

پھر آپ کے مسیح نے یہودیوں کو متی باب 21 آیت 32-31 میں کنجریوں سے بھی بد ٹھہرایا۔ کبھی ان کو کتے اور سؤر کہا۔ دیکھو متی باب 7 آیت 6، باب 15 آیت 26 کبھی ان کو کم اعتقاد کہا۔ متی باب 6 آیت 30 کیا اسی کا نام نرمی اور محبّت ہے؟

اور آپ نے اسلام کو جبر اور تشدّد کا مذہب کہنے میں خطرناک غلطی کی ہے۔ قرآنِ مجید کی آیت لَآ اِکْرَاہَ فِي الدِّيْنِ اس کی تردید کرتی ہے اور ہمارے آقا و مقتداء جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اُسوۂ حسنہ بھی اس کو ردّ کرتا ہے اور آپ کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کر سکتے۔ جس سے آپ کی یہ بات ثابت ہو سکے۔

پادری صاحب: مسلمان اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص اسلام قبول نہ کرے اسے قتل کر دینا جائز ہے۔

نوجوان: ہم ہرگز اس بات کے قائل نہیں اور نہ ہمارا مذہب اس کی اجازت دیتا ہے۔

پادری صاحب: کیا آپ لوگوں کا یہ اعتقاد نہیں کہ آنے والا مسیح اور مہدی ہر اس شخص کی گردن اڑا دے گا جو لا الہ الااللہ محمدرسول اللہ نہ کہے۔ یہاں تک کہ اس سے جزیہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

نوجوان: ہمارا یہ اعتقاد ہرگز نہیں بلکہ اس کے برعکس ہم اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح اور مہدی دلائل اور براہین کی جنگ لڑے گا اور اور تیر و تفنگ کی لڑائی کو موقوف کر دے گا۔

پادری صاحب: موجودہ زمانہ کے تمام مسلمان اسی بات کے قائل ہیں۔ اور حدیث میں بھی لکھا ہے کہ یضع الجزیۃ۔ یعنی جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اسلام کو قبول نہ کرنیوالا ہر شخص واجب القتل ہو گا۔

نوجوان: آپ نے جو فرمایا ہے۔ کہ تمام مسلمان اس امر کے قائل ہیں۔ یہ درست نہیں۔ دیکھئے میں بھی مسلمان ہوں مگر میرا یہ اعتقاد ہرگز نہیں۔ باقی حدیث یضع الجزیہ کی دوسری قرأۃ یضع الحرب اصل معنوں کو واضح کردیتی ہے کہ آنے والا مہدی جنگ کو موقوف کر دے گا۔ پس نہ جنگ ہوگی۔ نہ جزیہ لیا جائے گا۔ کیونکہ جزیہ جنگ کے موقع پر ہی لیا جاتا ہے۔

پادری صاحب: آپ کے قرآن اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے علاوہ کوئی انسان بلکہ کوئی نبی بھی گناہ سے پاک نہیں لیکن ہمارے خداوند نہ صرف گناہوں سے پاک تھے بلکہ ان کے متعلق کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

نوجوان: مسیح کو روح اللہ نہیں بلکہ روحٌ منہ یعنی خدا کی طرف سے روح کہا گیا ہے۔

ہاں آدم علیہ السلام کو روح اللہ کہا گیا ہے فرمایا: فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ (ص آخری رکوع) یعنی جب مَیں آدم میں اپنی روح ڈال دوں تو اس کو سجدہ کرو۔ اسی طرح جبرائیل کو بھی روح اللہ کہا گیا ہے۔

وَاَرْسَلْنَا اِلَيْهِ رُوْحَنَا۔ کہ ہم نے اپنی روح مریم کی طرف بھیجی۔ مسیح کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں۔ باقی رہا کلمۃ اللہ ہونا تو اس کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کا ہر ایک ذرہ کلمۃ اللہ ہے۔ چنانچہ سورہ کہف کے آخری رکوع میں خداتعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي یعنی اگر سمندر کے پانی کو بطور سیاہی استعمال کر کے خدا کے کلمات کو لکھنا شروع کیا جائے تو تمام سمندر خدا کے کلمات کے ختم ہونے سے قبل ختم ہو جائے۔ پس مسیح کا کلمۃ اللہ یا روحٌ منہ ہونا ان کی برتری کی علامت نہیں۔ البتہ قرآن کا یہ احسان ضرور ہے کہ اُس نے مسیح علیہ السلام کو بھی پاکبازوں کی فہرست میں شامل کر کے دیگر انبیا کی طرح ان کو معصوم ثابت کیا ورنہ انجیل پر انحصار کر کے ان کا بااخلاق ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر سُن لیجئے۔

1۔انجیل متی کے شروع میں مسیح کا جو نسب نامہ بیان کیا گیا ہے اس میں تین عورتیں ایسی ہیں جو یشوع باب2 آیت 1 پیدائش باب 38 آیت 30-16 اور 2 سموئیل باب 11 آیت 4-2 کے مطابق فاحشہ اور بدکار تھیں۔

2۔پھر مسیح نے اپنی ماں کی بے عزتی کی۔ (متی باب 12 آیت 48)

3۔انہوں نے اپنے شاگردوں کو حرام کا مال کھانے سے منع نہ کیا۔
(دیکھو متی باب 12 آیت 3-1، مرقس باب 2 آیت 25-23)

4۔اس نے ایک فاحشہ اور بدکار عورت کو موقعہ دیا کہ اس کے بعض اعضاء سے اپنے اعضاء چھوئے اور مالِ حرام کا عطر اس کے سر پر ملے۔

کیا آپ کے نزدیک معصوم ہونے کا یہی معیار ہے اور اسی بنا پر آپ دیگر انبیاء کو گنہگار قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے نزدیک کوئی نبی گنہگار نہیں اور یہی قرآنِ مجید کی تعلیم ہے کہ؎

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے

5۔پھر آپ کے مسیح نے زبور 5/6 کے حکم کے خلاف شاگردوں کو جھوٹ بولنے کا حکم دیا۔
(متی 16/20)

6۔اور آپ کے مسیح کی انجیل کے بیان کے مطابق اکثر پیشگوئیاں غلط نکلیں مثلاً

ا: مسیح نے لوقا 23/43 میں ایک چور سے پیشگوئی کے طور پر وعدہ کیا کہ آج تو میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔ لیکن مسیح مرنے کے بعد بہشت میں نہیں گیا۔بعض عیسائیوں کے نزدیک برزخ میں اور بعض کے نزدیک دوزخ میں گیا۔ اور مسیح جی اٹھنے کے بعد خود اقرار کرتا ہے کہ ابھی وہ باپ کے پاس نہیں گیا۔ (دیکھو یوحنا 20/17)

پس چور کے سامنے جو پیشگوئی کی تھی وہ انجیل کے بیان کے مطابق غلط نکلی۔

ب: مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کے لئے بہشت کے بارہ تختوں کے وارث ہونے کی پیشگوئی کی تھی(متی 19/28) جن میں پطرس اور یہودا اسکریوطی بھی شامل ہیں۔ لیکن ''ہائے افسوس کس کے آگے یہ ماتم لے جائیں'' کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ پیشگوئی انجیل کے بیان کے مطابق صاف طور پر جھوٹی نکلی۔ کیونکہ پطرس نے مسیح پر لعنت بھیجی اور اس کے منہ پر تھوکا اور قسم کھا کر انکار کر دیا کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ گویا مرتد ہوگیا(متی 26/74) اسی طرح یہودا اسکریوطی نے بھی مسیح کو رشوت لے کر پکڑوا دیا اور خودکشی کا مرتکب ہو کر حرام موت مر گیا۔ (متی 5-3/27)

غرضیکہ انجیل کی رُو سے آپ کے مسیح کا دیگر انبیاء سے افضل اور ان کے برابر ہونا تو در کنار ایک بااخلاق انسان ثابت ہونا بھی مشکل ہے۔ پس آپ کے اعتقادات پر بحث کرنے سے خود انجیل اور عقلی شواہد سے ثابت ہوگیا کہ آپ کا مذہب سراسر باطل اور ناقابل قبول ہے۔ قرآنِ کریم کا حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی گردن پر یہ احسان ہے کہ اسے مسیح علیہ السلام کے متعلق کلمۃ اللہ اور روحُ منہ کے الفاظ استعمال کر کے ان تمام الزامات اور نقائص کی تردید کر دی جو انجیل اور عیسائیوں کے معتقدات کی رُو سے ان پر عائد ہوتے تھے۔

حمید اللہ: (آہستہ سے محمد انور کو مخاطب کرتے ہوئے) کیا آپ کے مؤلف ''داستانِ مرزا'' کے خیال کے مطابق مسیح کی ہتک تو نہیں ہو رہی۔ اگر اس طرح ان کی توہین ہوتی ہے تو آپ احتجاج کیوں نہیں کرتے؟

انور: آپ کو بھی بروقت مذاق کی سوجھی۔ مَیں تو پہلے سے ہی موازنہ کر رہا ہوں کہ اس طرح حضرت مسیح کی ہرگز ہتک نہیں ہوتی بلکہ عیسائیت کی تردید اور اسلام کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے یہ ایک نہایت ضروری ہتھیار ہے اور اگر اس موقع پر کوئی توہین مسیح کا رونا روتا ہے۔ تو وہ اپنی جہالت پر مہر کرتا ہے۔

پادری صاحب: آپ ہمارے مذہب کو سمجھنے اور اس کو اختیار کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسلام کو منوا لینے کے لئے آئے ہیں۔

نوجوان: جب آپ کا مذہب غلط ہے اور اس کے سچا ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی اس کے اندر روحانیت موجود ہے۔ تو مَیں آپ کو اور تمام حاضرین کو یہی دعوت دوں گا کہ وہ مردہ مذہب کو چھوڑ کر زندہ اور کامل مذہب اسلام کو قبول کر کے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ مذہب ہر زمانہ میں اپنے سچا ہونے کے تازہ بتازہ نشانات پیش کرتا ہے۔ اب بھی دیکھو کہ ''خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا ہے جو اس پہلے مسیح سے اپنی شان میں بڑھ کر ہے''۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ 148) اور جیسا کہ مثیل موسیٰ حضرت محمد ﷺ موسیٰؑ سے بڑھ کر تھے۔ اسی طرح مثیل ابن مریم بھی ابن مریم سے بڑھ کر ہے۔ (مفہوم کشتی نوح صفحہ 13)

پس یہ اسلام کی سچائی اور حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی قوت قدسیہ کا ایک زبردست نشان ہے۔ مبارک ہے وہ انسان جو اس نشان کو قبول کر کے خدا سے اپنا تعلق مضبوط بناتا اور اپنی نجات کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔

پادری صاحب: اب معلوم ہوا کہ آپ مرزائی ہیں!

نوجوان: بے شک خدا کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو احمدیت کے نور سے منوّر کیا ہے۔

پادری صاحب: تب تو آپ کے ساتھ گفتگو کرنا فضول اور وقت کو ضائع کرنا ہے۔

پادری صاحب اس بحث سے اُکتا کر افضل بیگ کی طرف یوں مخاطب ہوئے:

پادری صاحب: میرے عزیز! مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ نَووارد نوجوان بھی عیسائیت کو قبول کرنے کی خاطر یہاں آئے ہیں مگر افسوس ان سے گفتگو کرنے سے وقت ضائع ہوگیا۔ آگے آؤ مَیں تم کو مسیح کے نام پر بپتسمہ دے کر ابدی نجات کا مستحق ٹھہراؤں۔

افضل بیگ: محترم پادری صاحب! اب مَیں کسی اور دُنیا میں پہنچ چکا ہوں۔ آپ کے نزدیک یہ گفتگو فضول ہو تو ہو مگر میرے لئے یہ گفتگو سراسر نتیجہ خیز اور موجب رحمت ثابت ہوئی ہے۔ آپ کے ساتھ ہمکلام ہونے والے میرے دیرینہ دوست چوہدری خلیل احمد صاحب ہیں۔ مَیں ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے لئے فرشتۂ رحمت بن کر عین موقع پر پہنچ کر اس خطرناک ٹھوکر اور ابتلاء سے رہائی بخشی۔ یہ میرا اپنا قصور ہے کہ باوجود ہر وقت ان کے ساتھ رہنے کے میں نے ان کے روحانیّت بخش دلائل سے فائدہ نہ اٹھایا۔

پس! اب میں عیسائیت سے سخت متنفر ہو چکا ہوں اور مجھے یقین ہو چکا ہے کہ یہ مذہب سراسر باطل اور اس کے مقابلہ میں اسلام سراسر صداقت پر مبنی ہے اور میرے عیسائیت کی طرف مائل ہونے کی وجہ صرف یہی تھی کہ میں نے آج کل کے عام مسلمانوں کے عقائد اور خیالات سے ٹھوکر کھائی۔ مگر اب معلوم ہوا کہ ان کی اس حالت سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ جب انہوں نے اسلامی اصول پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو ان کی حالت بھی ابتر ہوگئی اور خدا نے ایک اور جماعت کو کھڑا کر دیا اور جیسا کہ میں تجربہ کر چکا ہوں وہ جماعت احمدیہ ہے جو حقیقی اسلام کی حامل ہے۔ اس لئے مَیں اسی مجلس میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ مَیں انشراح صدر کے ساتھ جماعت احمدیہ میں داخل ہوتا ہوں اور آپ لوگوں کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ اسلام آج بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔

افضل بیگ کے اس اعلان سے پادری صاحب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور گرجا میں سنّاٹا چھا گیا اور تمام حاضرین نے بددِل ہو کر اپنے سر نیچے ڈال دیئے۔ افضل بیگ بات کو ختم کر کے خلیل احمد کی طرف بڑھا اور ان سے بغل گیر ہوتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد حمید اللہ اور محمد انور سے بھی بغل گیر ہوا۔ اور چاروں دوست فاتحانہ انداز میں گرجا سے رُخصت ہوئے۔ بالخصوص محمد انور پر ان واقعات کا بے حد اثر ہوا اور وہ دل ہی دل میں اپنے گذشتہ اعتراضات پر نادم ہو رہا تھا۔ جو اس

نے چوہدری خلیل احمد کے سامنے احمدیت کے خلاف پیش کئے تھے۔ کیونکہ اس پر واضح ہو چکا تھا کہ جو اعتراضات عام مسلمانوں کی طرف سے احمدیوں پر کئے جاتے ہیں وہ محض احمدیت سے لوگوں کو متنفر کرنے اور اشتعال انگیزی کے لئے ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت وہی عبارتیں جن کی رُو سے اس جماعت کے بانی کو اعتراضات کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ اسلام کی خدمت اور مذاہب باطلہ کی تردید کے لئے ایک کامیاب حربہ ہیں۔ جیسا کہ مَیں اس کا مشاہدہ کر چکا ہوں۔ وہ اسی قسم کے خیالات میں محو جا رہا تھا کہ خلیل احمد نے اس کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا:

کیوں انور صاحب! جس وقت میں انجیل سے حوالے پیش کر رہا تھا اس وقت آپ کو تکلیف تو نہیں ہوئی تھی؟ کہ مسیح علیہ السلام کی ہتک ہو رہی ہے مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں آپ بھی کھڑے ہو کر پادری صاحب کا ساتھ نہ دینا شروع کر دیں کہ پکڑ لو اس کو مسیح کی توہین کر کے جانے نہ پائے۔

محمد انور: حاشا و کلّا۔ ویسے تو یہ خیال آپ کی باتیں سُن کر پہلے سے ہی زائل ہو چکا تھا مگر موقع مَیسّر آنے پر آپ کے دلائل کی وضاحت ہو گئی اور تمام اعتراضات دور ہو کر اب میرا سینہ روشن ہو چکا ہے اور اب مَیں احمدیت کی صداقت کا قائل ہوں۔

ساتواں باب

گذشتہ سے پیوستہ باب میں ہم نے افضل بیگ کا ایک خط درج کیا تھا جو اس نے اپنے والد صاحب کی طرف لکھا تھا۔جس وقت افضل کے والد نے یہ خط پڑھا۔اس پر ایک بجلی گری اور غشی کی سی حالت طاری ہوگئی۔ بڑی دیر کے بعد جب ذرا حالت سنبھلی تو انہوں نے گھر جاکر افضل کی والدہ اور تمام گھر والوں سے اس کا ذکر کیا جو بے حد صدمہ اور رنج کا موجب ہوا۔ تمام گھر میں ماتم برپا ہوگیا اور ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔افضل کی والدہ نے رو رو کر دعائیں کیں اور اس کے والد نے صدقہ وخیرات کیا۔

آہستہ آہستہ یہ خبر دیگر ہمسائیوں اور رشتہ داروں تک بھی پہنچ گئی۔جس سے سب کو صدمہ ہوا۔ آخرمشورہ سے یہ طے پایا کہ افضل کے والد لاہور جاکر اس کی تحقیق کریں اور افضل کو سمجھا بجھاکر راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اس اتوار کو 10 بجے کے قریب وہ لاہور پہنچے اور ہوسٹل آکر افضل بیگ کے متعلق دریافت کیا۔ چپڑاسی نے ان کو اس کے کمرہ میں جاکر بٹھا دیا۔ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اتنے میں افضل بھی اپنے تینوں دوستوں کے ہمراہ آ پہنچا۔ وہ اپنے والد سے گلے ملا۔اس کے والد نے نہایت گھبراہٹ سے خط کا ذکر کیا۔ اُس نے تسلی دلائی اور گذشتہ چند دنوں کے واقعات کی کشمکش کا ذکر کیا۔اور خلیل صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ فرشتۂ رحمت ہیں۔ جنہوں نے مجھے گمراہی کے گڑھے میں گرنے سے بچایا۔ اور اسلام کی حقانیّت سے آگاہ کیا۔ انہی کی بدولت مذہبی لحاظ سے مَیں نے آج جنم لیا ہے اور آج کا دن میرے لئے ایک مبارک دن ہے۔ افضل کے والد نے محبّت اور شکریہ کے جذبات سے لبریز ہوکر خلیل احمد کو چھاتی سے لگایا اور اس کی پیشانی

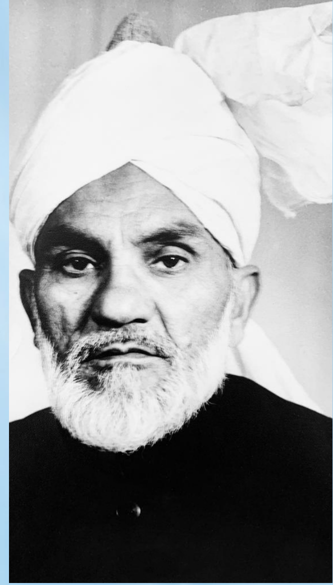
پر بوسہ دیتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا کہ تمہاری بدولت میرے بیٹے کو دین کی نعمت نصیب ہوئی اور مبارکباد دی کہ تمہاری کوشش سے میرے عزیز نے ظلمت سے نجات پائی۔

اس کے بعد تمام دوستوں اور افضل کے والد نے مل کر کھانا کھایا اور سب نے ظہر کی نماز ادا کی اور خدا کا شکر بجالائے۔ نماز سے فارغ ہو کر افضل بیگ، محمد انور اور حمید اللہ نے خواہش ظاہر کی کہ ہم آج ہی امام جماعت احمدیہ کی بیعت سے مشرف ہونا چاہتے ہیں اور افضل نے اپنے والد کو بھی تحریک کی۔ چنانچہ انہوں نے بھی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

خلیل احمد نے سب کو کچھ دیر غور کرنے کے لئے کہا اور بتایا کہ چند دنوں کے بعد احمدیت کے مرکز قادیان میں ہمارا عظیم الشان سالانہ جلسہ ہونے والا ہے جس میں دور دراز سے ہزاروں قدوسی جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے اس موقع پر جا کر بیعت کرلیں۔ مگر انہوں نے اس کو منظور نہ کیا اور اصرار کیا کہ جلسہ سے قبل ہی ہم احمدیت کے نور سے منور ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ خلیل احمد نے احمدیہ مسجد سے بیعت فارم منگوا کر ان کو پُر کیا اور سب کے دستخط کروا کر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں ارسال کر دیئے۔ چند دنوں کے بعد کرسمس کی تعطیلات ہونے پر چاروں دوست جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے قادیان آئے اور یہاں پر آ کر اسلام کی نورانی شعاعوں اور قرآنی معارف کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول پر خدا کا شکریہ بجالائے اور اس کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے خادم جری اللہ فی حلل الانبیاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر درود بھیجا۔

وآخر دعوٰنا اَنِ الحمد للہ رب العالمین

تعارف مؤلف



مکرم مولانا محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی مارچ 1912ء کو بٹالہ کے ایک قریبی قصبہ دیال گڑھ بھارت میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی حضرت چودھری حکم دین صاحبؓ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ وقف زندگی کے بعد آپ مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل ہوئے اور 1935ء میں بطور مبلغ سلسلہ میدان عمل میں قدم رکھا اور خدا کے فضل سے تقریباً نصف صدی تک خدمتِ دین کی توفیق پائی۔ آپ کی علمی خدمات میں سے سب سے اہم حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات کی سات جلدوں (چہارم تا دہم) کا مرتب کرنا ہے۔

1953ء کے پُر آشوب دَور میں آپ بحیثیت مربی انچارج لائلپور (فیصل آباد) مقیم تھے۔ آپ نے ان نا مساعد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا جس کا ذکر تاریخ احمدیت میں موجود ہے۔ آپ مناظر بھی تھے متعدد مضامین اور کتب کے مصنف بھی۔ آپ بحیثیت مربی سلسلہ گھٹیالیاں، امرتسر، لکھنؤ، لائلپور اور شیخوپورہ مقیم رہے۔ وفات کے وقت آپ بطور انچارج شعبہ رشتہ ناطہ مصروفِ خدمت تھے۔

14 اگست 1983ء کو آپ خالقِ حقیقی سے جاملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اسی روز نماز عصر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مسجد مبارک ربوہ میں نماز جنازہ پڑھائی۔ بعدازاں بہشتی مقبرہ دارالفضل ربوہ میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی اولاد کو بھی مقبول خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔